حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے باقاعدہ منظور شدہ
ماہنامہ
آبِ حیات
لاہور
جلد: ۲۰ شمارہ: ۱۱ نومبر 2020
زیرِ نگرانی
حضرت مولانا قاری عبدالسلام حدوٹی عباسی
مہتمم دارالقرآن جامعہ علیوٹ مری
مدیرِ اعلیٰ
مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی
خلیفہ مجاز
شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب دامت برکاتہم
خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
قیمت فی شمارہ 20 روپے
سالانہ 350 روپے
ملنے کا پتہ
اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ
غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
0300-0321-9458876
Mahmoodhadoti@gmail.com

ماہنامہ آب حیات لاہور (نومبر ۲۰۲۰)

وطن عزیز پاکستان اِسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا،اِسلام کے نام پر ہی ہمارے بزرگوں نے، ہمارے علماء کرام نے، ہمارے اَسلاف نے قائدا عظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا تھا، مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا، قیام پاکستان کے بعد آئین سازی میں بھی ہمارے بزرگوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا، ۱۹۷۳ء میں جب اسلامی آئین تشکیل پایا تو اس میں بھی تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے بھرپور ساتھ دیا اور معاونت کی،اس تعاون اور ساتھ دینے کی غرض وغایت یہی تھی کہ ہندوؤں سے الگ رہ کر مسلمان اپنی شناخت برقرار رکھ سکیں گے اور آزادی سے اپنے اسلام اور دین پر قائم رہتے ہوئے اشاعت اسلام میں مصروف رہیں گے۔

علماء کرام نے وطن عزیز کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد انتھک محنت کی، جانفشانی سے اِشاعت اِسلام اور تبلیغ دین میں مصروف عمل رہے، جب کہ باقی سیاسی جماعتیں بھی اپنے اپنے طور پر ملک کی تعمیر وترقی میں مشغول رہیں، جتنا جتنا اقتداری دورانیہ انہیں ملتا رہا اس میں وہ ملکی تعمیر کا کام کرتے رہے مگر نفاذ اسلام کے لیے کوئی مخلصانہ کاوش بروئے کار نہیں لائے، یاللاسف۔

سات دہائیوں میں زیادہ تر وقت فوجی مطلق العنان لوگوں کو ملا، جن کے نزدیک قانون اور آئین کی حیثیت ایک کاغذی پرزے سے زیادہ کبھی بھی نہیں رہی، مطلق العنان لوگوں نے جب بھی یہاں عنانِ اقتدار سنبھالی تو آئین اور قانون کو ایک ٹشو پیپر سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دی، قانون ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اور ان کی آنکھ کا اشارہ ہوا کرتا تھا، کئی بار قانون کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا، معطل کیا گیا۔

اگر مطلق العنان لوگ چاہتے تو اس ملک میں بہت کچھ ہو سکتا تھا، مگر انہوں نے اسلام اور اسلامی نظام کو یہاں نہ نافذ کیا اور نہ ہی شاید نفاذ کی کوشش کی، سیاست دانوں نے بھی اس ملک میں اپنا اپنا وقت گزارا اور کرسی اقتدار سے اتار دیے گئے، وہ بھی اسلام کے لیے کچھ نہ کر سکے، حالانکہ وہ چاہتے تو اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد کر سکتے تھے، فضا اور ماحول سازگار بنا سکتے تھے مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔

کوئی کلمہ گو پاکستانی، حکمران، رعایا، فوجی سپاہی اور جرنیل اس بات کا قطعاً انکار نہیں کر سکتا کہ وطن عزیز پاکستان اسلام اور کلمہ طیبہ کے نام پر وجود میں آیا تھا، پاکستانی آئین کے آرٹیکل ۳۱ میں بھی یہ بات وضاحت سے لکھی گئی ہے کہ ریاست پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق گزارنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں، اس بات کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ارباب سیاست نے اس سلسلہ میں قانون سازی بھی کی۔

مسلم لیگ ہی برسر اقتدار تھی جب ۲۰۱۷ء میں قومی اسمبلی اور ایوانِ بالا سینٹ میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں ناظرہ اور ترجمہ کے ساتھ

قرآن مجید کی تعلیم لازمی دی جائے گی، یہ بل دونوں یوانوں میں بھری اکثریت سے منظور کیا گیا۔

بعدازں پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب کی اسمبلی نے ۲۰۱۸ء میں صوبہ بھر کے سکولوں میں پہلی جماعت سے لے کر ایف اے تک یعنی بارہویں جماعت تک ناظرہ اور ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم کے بل کی منظوری دی۔

۲۰۱۸ء میں پاکستان تحریک انصاف نے مرکز اور صوبہ پنجاب میں حکومت سنبھالی، ان کے دورِاقتدار میں ۲۰۲۰ء میں گورنر پنجاب نے بڑے دَبنگ انداز میں اعلان کیا کہ کسی بھی یونیورسٹی میں کسی بھی طالب علم کو اس وقت تک ڈگری جاری نہیں کی جائے گی جب تک وہ قرآنِ کریم بمع ترجمہ مکمل نہ پڑھ لے، گویا کہ قرآنی تعلیم کو یونیورسٹیوں میں بھی لازمی قرار دیا گیا۔

یہ بات تو قابل تسلیم ہے کہ اسمبلیوں میں کارکردگی دکھانے کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں، اس پر دادِ تحسین بھی وصول کی جاتی ہے، انتخابی معرکہ کے لیے اس کارکردگی کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے، مگر عملی اِقدامات کہیں بھی نہیں کیے جاتے، بلکہ جہاں عملی طور پر قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کیا جاتا ہے ان لوگوں کو نظرِ حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے ساتھ دغابازی کرنے کا نقصان یہ ہورہا ہے کہ وطن عزیز پاکستان میں لاقانونیت کا دوردورہ ہے، اندھیر نگری چوپٹ راج ہے، افراتفری ہے، دھکم پیل ہے، تشتت اور تفرقہ کے بیج بوئے اور انتشار کی فصلیں کاٹی جارہی ہیں، پورا ملک اندھیروں میں ڈوبتا دکھائی دے رہا ہے، ہر کوئی دوسرے کو کاٹ کھانے کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔

اَرباب اِقتدار علماء کرام سے راہنمائی نہیں لیتے جو قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں، وہ اپنی سیاسی پاور اور طاقت کے غرور میں مبتلا ہیں، انہیں اقتدار سے غرض ہے اَقدار کی حفاظت ان کا مطمح نظر نہیں ہے، بر سرِاقتدار طبقہ چونکہ دینی سوچ اور فکر سے کوسوں دُور ہے اس لیے وہ عملی اِقدامات اٹھانے سے قاصر ہے۔

آج پاکستان کا عدالتی نظام، اِحتسابی نظام، سیاسی نظام سبھی تماشہ بنا ہوا ہے اور یہ بات سب کو دکھائی سنائی دے رہی ہے، یہاں امیر اور غریب کے لیے الگ الگ ترازو اور الگ الگ پیمانے ہیں، صاحب قوت وطاقت کے لیے اور نظام ہے اور کمزور ونحیف کے لیے اور نظام ہے۔

اگر یہاں اسلامی قانون کا نفاذ ہو جائے تو پھر حکمران اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے پر کاربند ہوں گے، رعایا بھی اسی قانون کے پابند ہوں گے، رحمتِ کائنات کے سامنے ایک امیر قبیلہ کی بیٹی چوری کے معاملے میں گرفتار کر کے لائی گئی، چوری کے کیس میں اس کا ہاتھ کاٹا جانا تھا، سفارش کی گئی، مگر آپ ﷺ کے اِنصاف نے سب کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کی تباہی اور بربادی کا باعث یہی تھا کہ امیروں اور غریبوں کے لیے انصاف وعدل کے پیمانے الگ الگ تھے، رب کعبہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم دیتا۔

علی الرغم یہاں تاجِ شاہی سروں پر سجانے والوں کے اَعزہ، اَقربا، رشتہ دار، دوست، تعلق دار انہی الزامات کی زد میں ہیں جو الزامات حزبِ اِختلاف کے لوگوں پر لگائے جاتے ہیں، مگر حزب اختلاف کے لوگ، ان کے بچے، ان کے مرد اور عورتیں سبھی عدالتوں کے کٹہروں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں، جب کہ برسر اقتدار طبقہ کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے، یہ وہ دہرا معیار ہے جس کے باعث یہاں

افرا تفری ہے، حالات ناساز گار ہیں۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کی اشد ضرورت ہے، اسلامی قوانین ہی ایسے قوانین ہیں جن کی موجودگی اور نفاذ کی صورت میں ہر سر خم ہوگا، ہر کوئی تابعدار اور فرمانبردار ہوگا، جس طرح خلفاء راشدین اور دیگر اسلامی حکمران اقتدار کو ہمیشہ امانت الٰہی سمجھتے رہے اور امن وامان کی فضائیں برقرار رہیں، اسلامی فتوحات عام ہوتی رہیں، اسلامی ممالک میں اضافہ ہوتا رہا، آج اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان اپنے کو احساس کمتری کا شکار سمجھتے ہیں، انگریز اور انگریز کی اولادوں سے مرعوب اور خوف زدہ دکھائی دیتے ہیں۔

ستاون اسلامی ممالک ہیں، مسلمان حکمران ہیں، مگر کس قدر شرم کی بات ہے کہ یہ لوگ امریکہ اور یورپی ممالک کے حکمرانوں کی ہدایات پر عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں، خصوصاً موجودہ حکومت نے تو سارا ملک ہی انگریزوں کا غلام بناڈالا ہے، یہاں اشیاء کی قیمتیں بھی انگریزوں کی مرضی سے، ٹیکسوں کا نفاذ بھی انگریزوں کی مرضی سے، سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کا نظام بھی انگریزوں کی مرضی سے طے کیا جاتا ہے، آئی ایم ایف نامی عالمی مالی ادارہ ہی ہمارا بجٹ چلا رہا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ بھی اسی ادارے کی مرضی سے ہوتا ہے، جب اچانک کوئی حیران کن خبر آتی ہے تو ہمارے ملک کا وزیر اعظم علی الاعلان کہتا ہے کہ مجھے ٹی وی پر خبر سن کر اس بات کا پتا چلا ہے، بر سر اقتدار طبقے کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے، اے کاش! یہاں اسلامی قانون نافذ ہو جائے اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔

خادم اسلام، **محمود الرشید حدوٹی**، ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ پانچ بجے شام

اسلام میں ہر عام و خاص کو داخلے کی اجازت ہے، جس میں علاقے، قومیت اور رنگ و نسل کی کوئی تفریق نہیں،اس کی نرم اور لچک دار پالیسیوں کی وجہ سے بنی نوع انسان کے حقوق کو تحفظ ملتا ہے اس کا منشور دہشت گردی، فساد فی الارض اور انسانی طبقات کی ایذار سانی کی سراسر مخالفت کرتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو ببانگ دہل مجرم قرار دیتا ہے،اس کے ہر شعبے میں نرم خوئی،امن وسلامتی اور انسان دوستی کا ایک طویل ترین باب ملتا ہے۔

اسلام امن کا داعی اور ساری انسانیت کے لیے پیامِ رحمت ہے، حقوق العباد کے عنوان سے اسلام کا ایک شرعی کلیہ اور ضابطہ بھی موجود ہے جس کا توسیعی مظہر امن وسلامتی، رحمت اور احترام انسانیت سے ہی ماخوذ ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر اسے دینِ رحمت کہا جاتا ہے۔

دین رحمت سے جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ دین سارے عالم کے لیے ایک پُرامن اور انسان دوست مذہب بن جائے جس میں انسانی نسل کے ہر دائرے کے لوگوں میں ہم آہنگی، توازن اور آپس میں معاونت کا نیک جذبہ پیدا ہو سکے۔ جہاں انسان امن و سکون اور طمانیت کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور اس طرح کے

معاشرے کی بنیاد دین رحمت ہی رکھ سکتا ہے کیوں کہ اسلام ہی میں کلمہ توحید زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہی انسانی حقوق کی پاس داری کی ہدایات جاری ہوتی ہیں۔

احترامِ انسانیت کے لیے اخلاقیات کا بہت درس دیا جاتا ہے، اسلام میں ہر انسان کے تحفظ اور اس کے حقوق کی رعایت و حفاظت کے لیے واضح قوانین بنا دیے گئے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے امیر کو قانون کے حصار میں بہت آسانی سے لایا جا سکتا ہے، اس نوعیت کے واقعات تاریخ اسلام میں بھرے پڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو بے دردی کے ساتھ شہید کرنے والا اسلام قبول کرنے کی غرض سے آیا تو آپؐ نے اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''اگر میں نے کسی پر ظلم کیا ہے تو وہ اس کا بدلہ لے لے۔'' حضرت عثمانؓ نے محصور ہونے اور جان کے خطرے کے باوجود اپنے دفاع کے لیے اہل مدینہ کو مقابلے کی اجازت نہیں دی۔

رسول اللہ ﷺ کا آخری خطبہ احترام انسانیت کا عالمی منشور اور ایک مکمل نصاب ہے، اس تاریخی خطبے میں آپ ﷺ نے انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر بزرگی حاصل نہیں، آپ ﷺ نے انسانیت کا احترام سکھایا کہ جب بھی کسی سے بات کرو اچھے انداز سے کرو، اچھی گفت گو کرو اور دوسروں کو اپنے شر سے بچاؤ۔

آپ ﷺ اس قدر دوسروں کا خیال رکھتے تھے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے، حدیث پاک کا مفہوم ہے، سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں لیٹی ہوئی تھی اچانک میری آنکھ کھلی،

میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ بڑے آہستہ آہستہ بستر سے نیچے اترے اور دبے قدموں سے پاؤں رکھتے ہوئے چلنے لگتے ہیں، میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کیوں اس طرح کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سوئی ہوئی تھی میں تہجد کے لیے اٹھ رہا تھا، میں نے چاہا میرے اٹھنے کی وجہ سے کہیں تمہاری نیند میں خلل نہ آجائے۔

مخلوق خدا پر رحم کرنے کی تعلیم اسلام ہی دے رہا ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مفہوم: ''رحم کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ تم اس وقت مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم رحم کرنے والے نہ بن جاؤ، آپ ﷺ نے دفع شر اور نفع رسانی کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تُو روک لے اپنے شر کو دوسرے انسانوں سے۔''، یعنی ہر بندے کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی، تو فرمایا کہ اپنا شر دوسرے انسانوں تک نہ پہنچاؤ اس کو اپنے تک ہی روک لو، مثلاً کئی مرتبہ انسان چاہتا ہے کہ دوسرے بندے کا مذاق اڑائے، شریعت کہتی ہے کہ تمہارے اندر جو خواہش پیدا ہو رہی ہے اسے روک لو، اگر تم کسی دوسرے کا مذاق اڑا کر اس کو ایذا پہنچاؤ گے تو یہ مناسب نہیں۔

احترام انسانیت کے لیے اسلام نے دو زرّیں اصول بیان کیے ہیں کہ جب کسی سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے، انسانوں سے اچھے انداز میں گفت گو کریں، اس سب کچھ کے باوجود اس مفروضے کا عام ہونا کہ اسلام دہشت گردی اور انتہا پسندی کا سبق دینے والا اس کی پذیرائی کرنے والا، متشدد اور سخت گیر مذہب ہے۔

اس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں، کوئی قدر نہیں، کوئی مقام نہیں، تو یقیناً یہ اسلامی تاریخ سے ناواقفیت ہے اور سورج کو جھٹلانا ہے، عربوں کی جہالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں وہاں تو جہالت ایسی انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ ایک دوسرے کی کھوپڑیوں میں شراب پیتے تھے، اپنی بچیوں کو زندہ دفن کرتے تھے، احترامِ انسانیت کا نام و نشان بھی نہیں تھا تو اسی جہالت کے اندھیروں میں اسلام ہی نے ایسی تعلیمات دیں کہ صحرائے عرب کے وحشی احترام انسانیت کے علم بردار بن گئے اور احد کے میدان میں ایک دوسرے کو پانی پینے کا کہہ رہے ہیں اور احترام انسانیت کی وجہ سے تینوں پانی سے انکار کر کے شہادت کے رتبے پر فائز ہو کر ایک نئی تاریخ رقم کرتے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ اسلام دین فطرت ہے، امن وامان کی پاس داری اس کی اولین ترجیح ہے، جہاں انسانیت نوازی کا درس دیا جاتا ہے اور اخلاقیات کا سبق پڑھایا جاتا ہے، جہاں انسانیت کے احترام میں ہدایات دی جاتی ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اس کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اسلام کا یہ منشور انسان دوستی کے موقف کی تائید کے لیے کافی ہے، لہذا اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا ایک غیر معقول بات، غیر منصفانہ عمل ہے اور ایک عالم گیر مذہب اور اس کے ماننے والوں کی صریح حق تلفی ہے۔
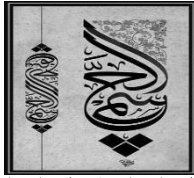
اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں نہ صرف یہ کہ تفریح اور کھیل کود پر کوئی قدغن نہیں لگائی گئی بلکہ وہ کھیل جن کی بدولت چستی، توانائی اور طبیعت میں ایک نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے انہیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، جیسا کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے گھوڑ سواری، تیر اندازی اور دوڑ لگانے کو پسند فرمایا ہے اور خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اہل ایمان کو چست وتوانا دیکھنا چاہتے ہیں، اس لیے ستر پوشی اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرتے ہوئے نیز فرائض میں کوتاہی، بے ہودگی، خلق خدا کو تکلیف دینے اور جوئے جیسی لعنتوں سے بچتے ہوئے کرکٹ، فٹ بال، والی بال وغیرہ کھیل کھیلنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

آج کی اس تحریر میں بطور خاص جس مسئلے پر روشنی ڈالنی مقصود ہے وہ موجودہ مروجہ ٹورنامنٹس ہیں، جن کی طرف رجحان آئے روز بڑھتا جارہا ہے اور اپنے اندر بہت ساری خرافات کو سموئے ہوئے ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے جوئے کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، چنانچہ وہ معاملہ جس میں کچھ اضافی رقم ملنے کی امید کے ساتھ اپنا مال ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہو اس کو جوا اور قمار کہا جاتا ہے جس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے

يٰآَيُّهاالَّذِيْنَ آمَنُوْ اِنَّمَاالخَمْرُ وَالمَيْسِرُوَالاَنْصَابُ
وَالاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَان(المائدہ ۹۰)

اے اہل ایمان! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر یہ سب
ناپاک شیطانی عمل ہیں لہذا ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

اس آیت کا مطالعہ اور تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہوئے، اس کے معنٰی مفہوم اور مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے مروجہ ٹورنامنٹس اور کھیلوں کو دیکھیے تو ان میں بھی جوئے والی صورت پائی جاتی ہے، کہ چند ٹیمیں انٹری فیس کے نام پر پہلے ایک محدود رقم جمع کرواتی ہیں پھر انتظامیہ کی طرف سے فائنل میچ جیتنے والی ٹیم کو اس کی دی ہوئی رقم اضافے کے ساتھ مل جاتی ہے اور باقی ٹیموں کا دیا ہوا مال ان کے حق میں ضائع ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ باور کروایا ہے کہ شراب، جوا وغیرہ گندے اور شیطانی کام ہیں، ان سے کنارہ کشی کرنے میں ہی تمہاری فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے، مزید یہ کہ شیطان جو تمہارا ازلی دشمن ہے وہ ان برائیوں کے ذریعے تمہارے درمیان بغض وعداوت ڈالنا چاہتا ہے جس کا مشاہدہ ہمیں آئے روز مختلف مقامات پر دیکھنے کو ملتا ہے، مختلف ٹیمیں آپس میں نبرد آزما دکھائی دیتی ہیں اور دشمنی کے شعلے بسا اوقات کئی علاقوں اور خاندانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

البتہ اگر شرط ایک جانب سے ہو یعنی ایک ٹیم دوسری ٹیم سے کہہ دے کہ اگر تم لوگ جیت گئے تو ہم تمہیں اتنا انعام دیں گے اور ہم جیت گئے تو کچھ نہ لیں گے یا باہر سے الگ کوئی تیسرا آدمی جیتنے والی ٹیم کو اپنی طرف سے کچھ دے دے تو اس کی

گنجائش ہے۔

آخر میں اس پہلو کو بھی مد نظر رکھیے کہ مؤمن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے لہذا اس متاعِ وقت کو لہو و لعب میں لگ کر ضائع کرنے کی بجائے اپنے مقصدِ حیات پر توجہات مرکوز کیجیے اور مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانا ہے اور رحمتِ کائنات ﷺ کی اطاعت بجالانا ہے، آپ ﷺ کی پاکیزہ جماعت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقوشِ قدم پر چلنا ہے، ان کی محبت وعقیدت کو دل میں بٹھانا ہے، اہلِ بیت اَطہار سے اٹوٹ محبت بجالانا ہے، یہ ایمان اور ایقان کا حصہ ہے۔

ہمارے نوجوان اپنی مصروف ترین زندگی میں سے کچھ لمحات نکال کر ان پاکیزہ ہستیوں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کریں، ان کے حالات زندگی پڑھنے اور دیکھنے سے ہمارے نوجوان کو پتا چلے گا کہ وہ لوگ کسمپرسی اور سادگی میں کس طرح کامیاب وکامران ٹھہرے کہ انہیں اولئک ہم المفلحون کا تمغہ دیا گیا، انہیں فائزون کی سند دی گئی، انہیں رضا خداوندی کا پروانہ ملا، انہیں لسان نبوی سے جنت کی بشارت ملی۔

دنیا کی فانی زندگی میں دانش مند انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے کام کرے جن سے دنیوی اور اخروی دونوں جہانوں کا فائدہ ہو، کھیل میں دنیوی فائدہ ہے کہ اس سے جسم انسانی کی نشوونما ہوتی ہے، بڑھوتری ملتی ہے، اگر انسان راہِ خدا میں جہاد کی نیت سے کھیل کود میں شرکت کرتا ہے تو یہ عبادت ہے، گھوڑ سواری کرتا ہے تاکہ کل کلاں میدانِ کارزار میں دشمنانِ اسلام کے خلاف نبرد آزمائی کا موقع ملے تو اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے کچھ کام کر سکوں، یہ نیت صالح ہے، اس پر اَجر وثواب ہے، اور اگر یہ نیت مد نظر نہیں ہے تو پھر سب کچھ بے کار ہے، جسمانی ساخت پرداخت تو ہو جائے گی مگر اس پر اللہ کی بارگاہ سے کچھ ملنے کا نہیں ہے۔ ✫✫

فرانس کے صدر میکرون نے اپنے ملک میں رہنے والے مسلمان شہریوں کی مذہبی آزادیوں پر مزید پابندیاں لگانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے، اُسے سن کر اسلامی تعلیمات فوری ذہن میں آتی ہیں، جن کے مطابق ان اسلام مخالفوں کی زبان سے جو نفرت مسلمانوں اور اسلام کے لئے نکلتی ہے، اُس سے کہیں زیادہ دشمنی اور عناد اُن کے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔

میکرون کا کہنا ہے کہ وہ فرانس کی سیکولر ویلیوز کو اسلامی شدت پسندی سے بچانے کے لئے اقدامات اُٹھانے جا رہا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان، خصوصاً خواتین جب باہر نکلیں تو وہ اپنے لباس سے مسلمان نہ لگیں یعنی اُن پر گھر سے باہر سر ڈھانپ کر نکلنے پر پابندی ہو گی، اسکولوں میں بھی مسلمان بچیاں اسلامی لباس نہیں پہن سکیں گی۔ حجاب کی تو فرانس میں پہلے ہی پابندی ہے، اب وہاں رہنے والی مسلمان خواتین اور بچیوں کے لئے سر ڈھاپنا بھی جرم بن جائے گا اور یہ سب سیکولرازم کو بچانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ میکرون نے یہ بھی اعلان کیا کہ مسجدوں اور اُن کی فنڈنگ پر بھی کڑی نظر رکھی جائے گی۔

میکرون نے اپنی اس تکلیف کا بھی اظہار کیا کہ فرانس میں مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارتے ہیں جس سے فرانس کے کلچر کے اندر ایک ایسا کلچر پنپ رہا ہے جو اپنے مذہبی عقائد کو زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔یعنی میکرون اور سیکولرازم کے لئے یہ بھی خطرہ بن چکا ہے کہ مسلمان بغیر کسی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسلامی عقیدہ اور اپنی اسلامی پہچان کو کیوں ترک نہیں کرتے۔ میکرون نے یہ بھی کہا کہ اسلام کو دنیا بھر میں کرائسز کا سامنا ہے۔اپنے دل کی بھڑاس تو میکرون نے نکال دی اور اپنی اسلام مخالف چالوں کو بھی آشکار کر دیا لیکن ہم تو جانتے ہیں کہ کتنی ہی چالیں یہ سب اسلام کے خلاف چل لیں لیکن ایک تدبیر ہمارے رب کی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے سب چالیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

ان شاء اللہ میکرون اور اِس جیسے جو مرضی کر لیں، اسلام پھلے پھولے گا، دنیا کے کونے کونے تک پھیلے گا۔چاہے جتنے قانون بنالیں، جتنی سختیاں کرنی ہیں وہ بھی کر لیں لیکن اسلام کو مسلمانوں کے دل سے نکالا نہیں جا سکتا بلکہ اِس نے مزید مضبوط ہی ہونا ہے۔ امریکی ادارے پیو(PEW) کے ۲۰۱۶ء کے ایک سروے کے مطابق اسلام یورپ میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ادارے نے فرانس کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ فرانس میں تقریباً ساٹھ لاکھ مسلمان بستے ہیں جو فرانس کی کل آبادی کا آٹھ فیصد بنتے ہیں لیکن ۲۰۵۰ء تک صرف اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب آٹھ فیصد سے بڑھ کر اٹھارہ فیصد ہو جائے گا یعنی مسلمان آج کے مقابلے میں بہت بڑی قوت بن جائیں گے۔

اِس رپورٹ میں یورپ کے دوسرے ممالک اور برطانیہ کے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی سامنے آیا لیکن میکرون جو کہتا ہے کہ اسلام کو کرائسز کا سامنا ہے وہ اگر اس

سروے کو ہی دیکھ لے تو اُسے پتا چلے گا کہ کرائسز کا سامنا تو مغرب کو ہے جو اسلام دشمنی میں اِس حد تک آگے نکل چکا کہ مسلمانوں کی ذاتی زندگیوں کو بھی اپنی مرضی کے قوانین بنا کر اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش میں ہے۔ پیو سروے کے مطابق، مسلمانوں کی مغربی ممالک میں آبادی بڑھ رہی ہے جس کی دو وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمان اُن ممالک میں بڑی تعداد میں امیگریشن کر کے آتے ہیں اور دوسری یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بچوں کی پیدائش بھی زیادہ ہے۔

اگر مسلمانوں کی امیگریشن کو روک بھی دیا جائے تو مسلمانوں کے ہاں بچوں کی پیدائش زیادہ ہونے کی وجہ سے مغرب کی مقامی آبادیوں کو کمی کا اس لئے بھی سامنا ہے کہ گوروں کے ہاں بچے کم پیدا ہوتے ہیں جس سے اُن کی آبادی دن بدن کم ہو رہی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اور گوروں کی آبادی کم ہو رہی ہے۔ اصل کرائسز کا سامنا تو میکرون اور اُس کے مغرب کو ہے جہاں خاندانی نظام تتر بتر ہو چکا، جہاں شادیوں کا رواج کم ہو چکا اور اگر شادیاں ہو بھی جائیں تو چلتی کم ہیں۔ میکرون اور اُس کے مغرب کو اصل چیلنج تو اُس بے حیائی اور بے غیرتی سے درپیش ہے جسے وہ آزادی کا نام دیتے ہیں اور جس کے نتیجے میں مرد، مرد سے اور عورت، عورت کے ساتھ جنسی تعلق قائم رکھتے ہیں اور شادیاں بھی کرتے ہیں۔

میکرون سن لو، ہمیں تم سے کسی جنگ کی ضرورت نہیں، ہم اپنی فوجوں کے ذریعے تم پر قبضہ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ تمہاری چالیں اور تمہارے فیصلے تم پر ہی اُلٹ کر پڑ رہے ہیں۔ ہم مسلمان پُرامن رہ کر ہی تم پر بھاری ہو رہے ہیں اور تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے شکست خوردہ ہو رہے ہو اور اپنی فرسٹریشن میں اب مسلمانوں کو اسلام سے بھی دور کرنا چاہتے ہو۔

کرائسز کا سامنا تو میکرون اور اُس جیسے مغرب کے اُس غرور کو ہے جس نے ۱۱/۹ کے واقعہ کے بعد امریکا کے ساتھ مل کر اپنی تمام تر عسکری قوت اور مالی وسائل کو استعمال کر کے طالبان اور افغانستان پر حملہ کیا اور اُنہیں نیست و نابوت کرنے کا اعلان کیا۔

انیس سال بعد جن طالبان کو دہشت گرد کہا، جن کو ملیا میٹ کرنے کے ارادے سے دنیا بھر کا جدید اسلحہ، بارود استعمال کیا، اُن کے ساتھ امریکا نے اپنی شکست کا معاہدہ ابھی حال ہی میں کیا، اور طالبان سے کئے گئے اُس معاہدے میں اِس شرط پر بھی دستخط کئے کہ اِس امن معاہدے کے نتیجہ میں افغانستان میں بننے والی ''اسلامی حکومت'' کے امریکا کے ساتھ اچھے تعلقات ہوں گے۔

اسلام ان شاء اللہ دنیا بھر میں غالب ہو کر رہے گا، میکرون اور اُس جیسوں کا غرور اور سیکولرازم خاک میں مل جائے گا۔ ویسے اپنے دیسی لبرلز سے ایک بات پوچھنا تھی کہ ایک تو اُن کی طرف سے فرانسیسی صدر کے بیان پر کوئی ٹویٹس، کوئی مظاہرہ، کوئی احتجاج سامنے نہیں آیا اور دوسرا کیا وہ اُسی سیکولرازم کے لئے اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں جس کا اظہار ہم فرانس اور بھارت میں دیکھ رہے ہیں، جس کا اظہار ٹرمپ نے مسلمانوں کے خلاف بار بار بات کر کے کیا۔ دیسی لبرلز کی زبانیں تو جیسے گنگ ہو گئی ہیں۔

گزشتہ دنوں وقف املاک بل ۲۰۲۰ء پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں پیش کیا گیا اور پارلیمانی روایات اور طے شدہ طریقہ کار کے برعکس بڑی عجلت سے پاس کر لیا گیا اور اسے ایکٹ بنا دیا گیا۔ اس ایکٹ کے حوالے سے بہت کچھ کہا سنا جا رہا ہے اور ہمیشہ نہ صرف یہ کہ کہا سنا جائے گا بلکہ اس کے اثرات پاکستان کے مستقبل، نئی نسل خاص طور پر دینی اور رفاہی وفلاحی خدمات سرانجام دینے والوں کو ہمیشہ بھگتنے پڑیں گے۔ اس ایکٹ کے حوالے سے چند اہم امور درج ذیل ہیں

(۱) (اس ایکٹ کی تیاری سے لے کر منظوری تک کے جملہ مراحل میں نہ اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھا گیا، نہ پاکستان کے آئین کی رعایت برتی گئی، نہ ہمارے معاشرے اور کلچر اور تہذیب کو خاطر میں لایا گیا اور نہ ہی پاکستان کے مستقبل پر پڑنے والے اثرات کو مد نظر رکھا گیا اور سب سے اہم یہ کہ پاکستان کی خود مختاری، حریت و آزادی اور قومی سلامتی کا اس بل کے ذریعے اور ایف اے ٹی ایف کے حوالے سے بننے والے دیگر قوانین کے ذریعے جس طرح نظرانداز کیا گیا وہ ہم سب پاکستانیوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اس کے مقاصد اور وجوہات میں باقاعدہ لکھا

گیا کہ ہم ایف اے ٹی ایف کی ہدایات پر یہ ایکٹ بنا رہے ہیں یعنی قانون سازی کی اتھارٹی پارلیمنٹ کے بجائے ایف اے ٹی ایف کو قرار دیا گیا لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ اگر آج ایف اے ٹی ایف یا بیرونی قوتوں کے ایماء پر ہم نے اپنی اسلامی تعلیمات، مدتوں سے جاری روایات کو جس طرح پامال کیا ہمارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ کل ''ڈومور'' کا تقاضا نہیں کیا جائے گا؟

سچ پوچھیے تو ہمارا معاملہ وہی ہے کہ ہم از خود اپنے وطن کو کٹہرے میں کھڑا کرتے ہیں، انڈین لابی کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کا توڑ کرنے کے بجائے اور ان کی سفارتی کوششوں اور لابنگ کو کاؤنٹر کرنے کے بجائے سراسیمگی کے عالم میں ایسے اقدامات اٹھاتے ہیں جو بلاوجہ ہمیں مشکوک ٹھہراتے ہیں اور اقوام عالم کو اپنے طرز عمل سے ہم یہ باور کرواتے ہیں کہ ہاں ہمارے ہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔

دہشت گردی کی مالی معاونت یا منی لانڈرنگ کی روک تھام ایک اصولی بات ہے اور اس سے کوئی پاکستانی بھی اختلاف نہیں کرتا خاص طور پر موجودہ عالمی حالات میں اس قسم کے معاملات کی روک تھام اور مالی معاملات کو جتنا شفاف بنایا جا سکتا ہے ضرور بنانا چاہیے لیکن اس معمولی سی بات کی آڑ میں وقف کے پورے نظام کو منہدم کر دینا، شخصی آزادیوں کو سلب کر لینا اور پاکستان کے آئین کے منافی قانون سازی کر لینا اور پاکستان میں مدتوں سے جاری تعلیمی، رفاہی، دینی کاموں کا ناطقہ بند کر دینا حیران کن اور ناقابل فہم ہے۔

وقف ایکٹ ہے کیا؟ اس سوال کے جواب میں سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وقف کا تصور ختم کرنے کی کوشش......وقف کے تصور پر قائم اداروں کو سرکاری

تحویل میں لینے کے لیے شکنجہ اور معاشرے کی فلاح وبہبود اور دینی خدمات میں مصروف عمل لوگوں کے لیے صرف کام ہی نہیں بلکہ زندگی اور جینے تک کو مشکل بنانے کی ایک کوشش ہے۔

بظاہر تو آج ایف اے ٹی ایف کا بہانہ بنا کر یا دیگر عوامل کا عذر پیش کر کے ایک قانون بنا لیا گیا صرف ایک قانون نہیں بلکہ تسلسل کے ساتھ ایسے قوانین بڑی منصوبہ بندی اور ہوشیاری سے بنوائے جارہے ہیں جنہیں وقت آنے پر استعمال کیا جائے گا اور پاکستان میں جاری دینی کاموں اور رفاہی وفلاحی سرگرمیوں کا گلا گھونٹنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

آپ دیکھیے! ہمارے ہاں دینی مدارس لاکھوں بچوں کی کفالت کی ذمہ داری نبھارہے ہیں، ہمارے رفاہی ادارے اور خدمت خلق کا عوامی جذبہ ۲۰۰۵ء کے زلزلے اور سیلابوں سمیت تمام آفات کے موقع پر بحرانوں میں گھرے ملک وقوم کو سنبھالا دیتے ہیں اور ہماری سرکار اپنی نااہلی کے باعث مساجد اور دینی کاموں کو اپنا کام ہی نہیں سمجھتی اور وزارت اوقاف تو چند مساجد کے بل ادا نہیں کرپاتی جبکہ عوام الناس اپنی مدد آپ کے تحت سارے دینی سلسلوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن وقف ایکٹ اور اس سے ملتے جلتے قوانین کے ذریعے ان تمام سلسلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ کل پاکستان پر کوئی مشکل وقت آئے تو اس ملک اور اس کے عوام کو سنبھالا دینے والا کوئی نہ ہو۔

دینی کام کرنے والے اور مفت تعلیم اور مفت کفالت کرنے والوں کو اس طرح الجھا کر رکھ دیا جائے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیے کچھ نہ کرسکیں۔ یاد رہے کہ یہ وقف ایکٹ صرف وفاقی دارالحکومت کے لیے ہی منظور نہیں کیا گیا بلکہ یہ اس سے قبل پنجاب سے پاس اور لاگو کئے گئے چیرٹی ایکٹ کا چربہ اور ملغوبہ ہے۔

اس ایکٹ میں ہے کیا؟ اس کا خلاصہ آسان انداز سے سمجھیے ! ایکٹ میں کوئی بھی چیز وقف کرنے سے پہلے رجسٹریشن کی شرط عائد کردی گئی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ کے لیے وقف کا دروازہ بند کرنے کا پورا اہتمام کرلیا گیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ برسوں سے دینی مدارس کی رجسٹریشن نہیں ہو پائی۔

رجسٹریشن کا عمل کتنا مشکل اور پیچیدہ بنادیا گیا ہے، اول تو تاحال رجسٹریشن کا کوئی نظام وضع نہیں کیا جاسکا لیکن اگر رجسٹریشن کا کوئی نظام بن بھی جاتا ہے تو ہمارے دفاتر اور بیوروکریسی کے روایتی نظام کے تحت وقف کرنے سے پہلے کے مراحل جنہیں رجسٹریشن کے سادہ اور خوشنما لفظ سے تعبیر کیا گیا وہ کبھی بھی پورے نہیں ہو پائیں گے اور رجسٹریشن کا دریا عبور کرنا ہی ممکن نہیں ہو گا چہ جائیکہ وقف کی نوبت آئے۔

یوں پہلے تو ہر کوئی وقف کرنے سے پہلے رجسٹریشن کے بکھیڑوں میں پڑنے سے کترائے گا لیکن اگر کسی نے ہمت کر ہی لی تو اسے رجسٹریشن کی بھول بھلیوں میں اتنا تھکا یا جائے گا کہ وہ رجسٹریشن کا بھاری پتھر چوم کر ہی لوٹ جائے گا اور کوئی چیز بھی وقف کرنے کا حوصلہ نہیں کر پائے گا یوں اس بل میں وقف سے پہلے رجسٹریشن کی شرط لگا کر وقف کے عمل پر ایک ایسا تالا ڈال دیا گیا ہے جس کے ذریعے وقف کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

پہلے سے وقف شدہ املاک : یہ تو تھا نئے وقف کا معاملہ، اب ملاحظہ کیجیے کہ پہلے سے وقف شدہ املاک اور پہلے سے موجود دینی اداروں اور مساجد و مدارس اور رفاہی اداروں اور ان کے اثاثوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

ناظم اعلیٰ کا تقرر : اس ایکٹ کے پیرا نمبر ۳ میں درج ہے کہ ''چیف کمشنر اسلام آباد و دارالحکومت علاقہ جات (آئی سی ٹی) کے لیے ناظم اعلیٰ اوقاف کا تقرر کرے گا

اور بذریعہ حکم ایسی تمام وقف املاک جو آئی سی ٹی کی حدود کے اندر واقع ہیں بشمول اس سے متعلق تمام حقوق، اثاثہ جات، قرضہ جات، واجبات اور ذمہ داریاں اس کے زیر اختیار دے سکتا ہے، ناظم اعلی او قاف آئی سی ٹی کے ناظم اعلی کے نام سے ایک واحد کارپوریٹ ادارہ ہوگا جو دوامی تسلسل اور مخصوص مہر کا حامل ہوگا'' اس پیرا گراف کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکار کی طرف سے مقرر کردہ ناظم اعلی جملہ او قاف کے سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے گا اور صرف او قاف ہی نہیں بلکہ متعلقہ جملہ امور اس کے زیر تصرف وزیر اختیار آجائیں گے اور وہ ایک کارپوریٹ ادارہ کے طور پر ان او قاف کا جو حشر کرنا چاہے اس کو کلی اختیارات ہوں گے۔

اس ایکٹ کے پیرا نمبر ۸ میں کیا لکھا ہے، ملاحظہ کیجیے، ''وقف املاک زیر اختیار لینا۔(۱) باوجود اس کے کہ کوئی بھی شئے اس کے یا کسی دیگر فی الوقتی نافذ العمل قانون یا اس میں شامل یا کسی رسم ورواج یا کسی عدالت یا دیگر اتھارٹی کی کسی ڈگری، فیصلہ یا حکم یا کسی عدالت میں زیر سماعت کسی کاروائی میں اس کے برعکس کچھ درج ہو کے منافی نہ ہو ناظم اعلی بذریعہ اعلامیہ کسی وقف املاک کا قبضہ، اس کا انتظام وانصرام، کنڑول اور دیکھ بھال اپنے زیر اختیار لے سکتا ہے، بشرطیکہ ناظم اعلی جائیداد وقف کرنے والے شخص کی زندگی کے دوران ایسے شخص یا اشخاص کی مرضی کے بغیر ایسی وقف جائیداد کا انتظام وانصرام، دیکھ بھال اور کنڑول نہیں سنبھالے گا۔

وضاحت: اس دفعہ کے مقاصد کے لیے ''کنڑول اور انتظام'' میں وقف جائیداد کی مذہبی، روحانی، ثقافتی اور دیگر خدمات اور تقریبات (رسومات) کی ادائیگی اور انتظام پر کنڑول شامل ہوگا۔(۲) کوئی شخص ناظم اعلی سے پیشگی اجازت اور اس کی دی گئی ہدایات کی مطابقت کے بغیر ذیلی دفعہ (۱) میں حوالہ دی گئی خدمات یا تقریبات

سرانجام نہیں دے گا۔(۳) ناظم اعلی ذیلی دفعہ (۶) یا ایسی انتظامیہ جس پر قبضہ لیا گیا ہے یا دفعہ (۷) کے تحت سنبھالا گیا ہے اپنے پاس اندراج شدہ تمام املاک کو ایسے طریق میں مرکزی ریکارڈ کو ایسے طریق پر تیار کرے گا اور بنائے گا جیسا کہ صراحت کیا گیا ہو یا سرکاری جریدے میں مشتہر کیا گیا ہو کو سنبھالے گا۔(۴) ہر مالی سال کے اختتام پر ناظم اعلی ذیلی دفعہ (۶) یا ایسی انتظامیہ جس پر قبضہ لیا گیا ہو یا دفعہ (۷) کے تحت سنبھالا گیا ہو، اندراج شدہ تمام املاک کی رپورٹ تیار کرے گا اور وفاقی حکومت کو جمع کروائے گا۔''

اس عبارت کو بار بار پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ یہ محض ایک ایکٹ نہیں بلکہ جس طرح ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ملیں اور کارخانے قومیائے گئے اور سب کا ستیاناس کر دیا گیا اسی طرح تمام مساجد و مدارس اور رفاہی و فلاحی اداروں کو قومیانے اور سرکاری تحویل میں لینے کی منصوبہ بندی اور تیاری کی جارہی ہے اور اللہ نہ کرے ان اداروں کا بھی وہی حشر ہونے کا خدشہ ہے جو بھٹو دور میں ملوں اور کارخانوں کے ساتھ ہوا۔

یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ صرف یہ قانون وقف املاک کو تحویل میں لینے کی کوشش نہیں بلکہ اس میں سزا و جزا کا جو نظام تشکیل دیا گیا وہ انتہائی خطرناک ہے۔ چنانچہ جزا و سزا سے متعلق ایکٹ کا حصہ دیکھیے

''جرائم)۱ (جو کوئی درج ذیل کو روکتا، مزاحمت کرتا ہے، یا حائل ہوتا ہے یا بصورت دیگر مداخلت کرتا ہے (الف) کسی اتھارٹی، افسر یا کسی شخص کو جو اس ایکٹ کے ذریعے یا اس کی تعمیل میں اس کو سونپا گیا عائد کیا گیا کوئی اختیار استعمال کر رہا ہے یا کوئی فرض سرانجام دے رہا ہے یا بصورت دیگر اس ایکٹ کے تحت کوئی قانونی کام سرانجام دے رہا ہے یا)ب) کسی شخص کو جو مذکورہ بالا کسی ایسی اتھارٹی افسر یا شخص

کے احکام بجاآوری کر رہاہے یاجو بصورت دیگر اس ایکٹ کے تحت اپنی ذمہ داری کے مطابق کام کر رہاہے اسے پانچ سال تک کی قید یا جرمانہ یادونوں کی سزاہو گی۔

(۲) کوئی شخص جو دفعہ ۱۲ کے تحت کسی مطلوب جواب دہی میں مرضی سے قاصر رہے تو اسے قید کی سزادی جائے گی جو ایک سال سے کم نہ ہو گی مگر پانچ سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانہ ادا کرنے کا پابند ہو گا جو کہ وقف املاک سے حاصل کردہ افادیت سے کم نہ ہو گا مگر املاک سے حاصل شدہ آمدن کی رقم کے تین گناہ تک ہو سکتاہے۔

(۳) کوئی شخص جو دفعہ ۷ کے احکامات کے مطابق جواب دہی کے لیے نیت سے قاصر رہے یاارادتاً کوئی معلومات چھپائے یاناظم اعلیٰ کو نامکمل یاغلط معلومات فراہم کرے جیسا کہ ایکٹ کے تحت مطلوب ہو تو ایسی رقم ادا کرنے کا متقاضی ہو گا جس کا تخمینہ متعلقہ ضلعی کلیکٹر یاناظم اعلیٰ کی جانب سے وقف املاک کے امور تنقیح طلب کے عرصے یا پانچ سال قید، یادونوں کے لیے، کوئی دیگر باضابطہ مجاز اتھارٹی لگائے گی۔"

اور جرمانے اور سزامیں صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اڑھائی کروڑ کی خطیر رقم بطور جرمانہ عائد کرنے کی تلوار بھی لٹکائی گئی ہے۔ چنانچہ ایکٹ میں درج ہے کہ "کوئی شخص اس ایکٹ کے احکامات کی مطابقت میں یا کسی دیگر وجوہات کے لیے تعمیل کرنے میں ناکام رہے تو سزاکا مستوجب ہو گا جس کی رقم پچیس ملین تک ہو گی"

اس ایکٹ کے پیرانمبر ۲۴ میں درج ہے کہ ناظم اعلیٰ اوقاف کا حکم اور فیصلہ کسی دیوانی، ریونیوعدالت یا کسی دیگر اتھارٹی کو زیر سماعت نہیں ہوگا" یہ چیز آئین کے آرٹیکل ۱۹۹ کے خلاف ہے۔ اس ایکٹ میں اوقاف کی رقم کی نیلامی اور فروخت کا پورا

نظام ذکر کیا گیا حتی کہ فصلیں تک ضبط کرنے اور عمارتیں منہدم کرنے کی بات کی گئی جبکہ شرعی طور پر وقف چیز کی خرید وفروخت یا نیلامی جائز نہیں اسی طرح شرعی طور پر وقف چیز جن مقاصد کے لیے وقف کی جائے انہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے جبکہ اس ایکٹ کے ذریعے وقف کی رقم کو اسکول، سڑکیں وغیرہ بنانے اور دیگر مقاصد کے استعمال کرنے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آئین کے آرٹیکل ۱۹ میں جو فریڈم آف سپیچ کی ضمانت دی گئی اس ایکٹ کے ذریعے وہ بھی سلب کر لی جائے گی اور حکومت کی طرف سے سیاسی تقاریر کا بہانہ بنا کر کسی قسم کے وعظ پر پابندی عائد کر دی جائے گی اور من مانی اور لکھی لکھائی تقاریر کروائی جائیں گی۔اس ایکٹ کے ذریعے صرف وقف غیر منقولہ اشیاء ہی نہیں بلکہ چندہ بکسوں میں ڈالے جانے والے چندے تک بھی سرکار کی رسائی ہو گی اور اسے بھی وقف تصور کیا جائے گا چنانچہ ایکٹ میں اگرچہ مزاروں کا نام لکھا گیا مدارس و مساجد کا تذکرہ تو نہیں کیا گیا لیکن عملی طور پر کل کلاں سب کو ایک لاٹھی سے ہی ہانکا جائے گا۔

الغرض اوقاف ایکٹ ۲۰۲۰ء کی جس دفعہ، جس پیرے کو پڑھیے حیرت ہوتی ہے ،افسوس ہوتا ہے، سمجھ نہیں آتی کہ ہم اپنے دین، اپنی قوم، اپنے ملک، اپنی نسل نو اور اپنے مستقبل کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے اور اس ملک و قوم کو کدھر لے جانا چاہ رہے ہیں، اگر کوئی اس ملک کا خیر خواہ ہے، کسی میں ذرا بھی خدا خوفی موجود ہے، کسی میں ذرا بھی احساس کی کوئی رمق باقی ہے تو خدارا اس بل کو واپس لیجیے ،اس کو واپس کروانے میں کردار ادا کیجیے ،اس تلوار کو، اس شکنجے کو اپنے مستقبل سے ہٹا لیجیے نہیں تو یاد رکھیے۔

* لمحوں نے خطا کی تو صدیوں نے سزا پائی *

اور اسلام میں اس کی حیثیت

مساجد و مدارس اور وقف اداروں کے بارے میں نیا قانون

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں گزشتہ دنوں وفاقی دارالحکومت کی مساجد و مدارس اور وقف املاک کے حوالہ سے جو قانون منظور کیا گیا ہے اس پر ملک بھر میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور مختلف النوع تحفظات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ اس کا اصل محرک مالیاتی حوالہ سے بین الاقوامی اداروں کے مطالبات ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے اس قانون کے فوری نفاذ کو ضروری سمجھا گیا ہے، جبکہ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ پہلے درجہ میں اسلام آباد میں اور وہاں یہ تجربہ کامیاب ہونے کے بعد ملک بھر میں اس قانون کا دائرہ پھیلایا گیا تو پورے ملک میں مساجد و مدارس اور وقف اداروں کا بنیادی ڈھانچہ یکسر تبدیل ہو کر رہ جائے گا اور سرکاری یا پرائیویٹ ہر قسم کے اوقاف اور ان پر قائم ادارے براہ راست انتظامیہ کے کنڑول میں چلے جائیں گے، نیز پرائیویٹ مساجد و مدارس کا سلسلہ بھی انتظامیہ کے رحم و کرم پر ہو گا۔

اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان میں مساجد و مدارس کے بارے میں عالمی استعمار کے اس مبینہ ایجنڈے کی تکمیل کا فیصلہ کن قدم ہو گا جس سے ڈیڑھ سو سال سے دینی تعلیم و

عبادت کا جو نظام آزادانہ کردار ادا کر رہا ہے وہ خدانخواستہ باقی نہیں رہے گا۔ قانون کے اہم نکات درج ذیل ہیں: ① اینٹی منی لانڈرنگ یعنی منتقلی رقوم ② اینٹی ٹیررازم یعنی انسداد دہشت گردی ③ او قاف کنٹرول پالیسی۔اس کے تیسرے جزء میں پنجاب وقف املاک بورڈ ۱۹۷۹ء کو منسوخ کر کے دارالحکومت وقف املاک ایکٹ ۲۰۲۰ء منظور کیا گیا ہے جس کے مطابق:

① وفاق کے زیر اہتمام علاقوں میں مساجد و امام بارگاہوں کے لیے وقف زمین چیف کمشنر کے پاس رجسٹرڈ ہوگی اوراس کا انتظام وانصرام حکومتی نگرانی میں چلے گا۔

② حکومت کو وقف املاک پر قائم تعمیرات کی منی ٹریل (آمدن و خرچ) معلوم کرنے اور آڈٹ (احتساب) کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

③ وقف زمینوں پر قائم تمام مساجد، امام بارگاہیں اور مدارس وفاق کے کنٹرول میں ہوں گے۔

④ وقف املاک پر قائم عمارتوں کے منتظم منی لانڈرنگ میں ملوث پائے گئے تو حکومت ان کا انتظام سنبھال لے گی۔

⑤ قانون کی خلاف ورزی پر ڈھائی کروڑ جرمانہ اور پانچ سال تک سزا ہو سکے گی۔

⑥ حکومت چیف کمشنر کے ذریعے وقف املاک کے لیے منتظم اعلیٰ تعینات کریگی۔

⑦ منتظم اعلیٰ کسی خطاب، لیکچر یا خطبے کو روکنے کی ہدایات دے سکے گا۔

⑧ منتظم اعلیٰ قومی خود مختاری اور وحدانیت کو نقصان پہنچانے والے کسی معاملے کو بھی روک سکے گا۔

⑨ خطبے یا تقریر کی شکایت کی صورت میں چھ ماہ تک قید رکھا جا سکتا ہے، جس کے لیے وارننگ کی ضرورت ہوگی، چھ ماہ تک اس کی ضمانت ہوگی نہ عدالت مداخلت کر

سکے گی، جرم ثابت نہ ہوا تو چھ ماہ بعد رہائی ملے گی مگر اس حبس بے جا پر سوال نہیں کیا جا سکے گا۔

⑩ مسجد اور مدرسے کو چلانے والی انجمن کے تمام عہدیداروں کی مکمل ویری فکیشن (تصدیق) ہو گی اور ان کا ٹیکس ریکارڈ بھی چیک کیا جائے گا۔

⑪ مسجد اور مدرسے کو زمین یا فنڈ دینے والے اپنی منی ٹریل بھی دے گا کہ اس نے یہ رقم کہاں سے حاصل کی۔

⑫ مسجد اور مدرسہ کسی وقت اخراجات، فنڈنگ کرنے والوں کی تفصیل یا منی ٹریل نہ دے سکے تو وہ عمارت حکومت کے قبضے میں چلی جائے گی۔

ہم اس موقع پر ملک کے دینی و علمی حلقوں سے یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے بارے میں خاموشی درست نہیں ہے، اس کا قانونی، معاشرتی اور فقہی طور پر جائزہ لینا اور مبینہ خدشات و خطرات کا ادراک کرنا ضروری ہے تاکہ دینی مکاتب فکر کی مشترکہ رائے سامنے آئے اور اگر فی الواقع یہ قانون ملک و قوم کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے سد باب اور روک تھام کے لیے مشترکہ جدوجہد کا اہتمام کیا جائے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ دینی جماعتوں کی قیادتیں اور علمی مراکز اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

ادارتی نوٹ: جس طرف مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نے دینی طبقات کی توجہات مبذول کروائی ہیں یقیناً ان معروضات کا تعلق درددل کے ساتھ ہے، ہم بھی اپنی ان شکستہ سی سطور کے تحت ملک بھر کے دینی اداروں کے عمائدین سے یہی عرض کریں گے کہ وہ ان پر گہرائی سے توجہ دیں، یہ دینی اداروں کے مستقبل اور ان کی بقاء کا معاملہ ہے، بیداری بہت ضروری ہے۔

پارلیمنٹ میں ہونے والی بحث کو دیکھتا ہوں، ٹی وی ٹاک شوز کا نظارہ کرتا ہوں یا پھر ڈرائنگ روموں میں ہونے والی میٹنگز کی روداد کے بارے میں سنتا ہوں تو مجھے پاکستان تیرہویں صدی کا بغداد دکھنے لگتا ہے۔ جب ہلاکو خان کی تاتاری افواج نے بغداد کا محاصرہ کر رکھا تھا تو وہاں غیر ضروری فقہی مسائل پر مناظرے جاری تھے۔

اس وقت پاکستان کی کم و بیش یہی حالت ہے کہ ہر طرف سے خطرات ہیں لیکن حکمران خلیفہ المعتصم بنے ہوئے ہیں، سیاستدان، صحافی، مولوی، دانشور اور سب سے بڑھ کر ملک کے حقیقی مالک اسی طرح غیر ضروری مناظروں میں لگے ہوئے ہیں جس طرح اس وقت کے بغداد کے علمائے کرام لگے تھے۔ اس وقت پاکستانی سیاست میں یہی بحث جاری ہے کہ نواز شریف بیمار ہے یا نہیں ہے، زرداری نے ڈیل کر دی ہے یا نہیں۔

فلاں چور ہے، فلاں کرپٹ ہے۔ صرف حکومت نہیں بلکہ اپوزیشن بھی سیاسی بونوں کے ہاتھ میں نظر آرہی ہے، حکومت، حکومت نہیں کر رہی اور اپوزیشن، اپوزیشن نہیں کر سکتی۔ ایک ادارہ دوسرے کو بلیک میل کر رہا ہے، دوسرا تیسرے کو، کوئی اپنی گرفت کا دائرہ بڑھا رہا تو کوئی اپنی بقا کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، حالانکہ اس

وقت ریاست کے وجود کو شدید خطرات لاحق ہیں، ان خطرات میں سے آج صرف ایک کا ذکر کر رہا ہوں۔

یہ خطرہ فرقہ واریت کی آگ کو بھڑکانے اور شیعہ سنی کو لڑانے کی منظم سازش کا ہے، لگتا ہے کہ انڈیا جیسے پاکستان کے ازلی دشمنوں اور دیگر بیرونی طاقتوں نے اس کے لئے طویل اور منظم منصوبہ بندی کی ہوئی ہے، اگرچہ اہلِ تشیع کے اکابر علما اور مستند تنظیمیں یا پھر اہلِ سنت کے اکابر اور جماعتیں اس عمل کا حصہ نہیں اور پہلی مرتبہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر آگ بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کچھ ایسے عناصر سامنے آئے ہیں کہ جو اپنی نازیبا حرکتوں سے جذبات کو بھڑکا رہے ہیں۔

یہ اختلافات صدیوں سے موجود تھے لیکن جب اختلافات علمی حلقوں تک محدود ہوں تو وہ علمائے کرام اختلاف کی حدود و قیود کا خیال بھی رکھتے ہیں اور دوسرے فرقے کی حساسیت سے بھی واقف ہوتے ہیں تاہم جب یہ علمی مباحث عوام کی صفوں میں آجاتے ہیں تو پھر وہ ان حدود کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ المیہ ہے کہ سوشل میڈیا کی وجہ سے ہر شخص مفتی، مولوی اور صحافی بن گیا ہے۔

جس کے دل میں جو آتا ہے، وہ وڈیو کلپ بنا کر سوشل میڈیا پر چڑھا دیتا ہے جو دوسرے مسلک کے لوگوں کو اشتعال دلاتا ہے، حالیہ دنوں میں بھی چند شر پسندوں نے ایسی حرکتیں کیں، بد قسمتی یہ ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہی بلکہ اس کی صفوں میں بعض افراد ان شر پسندوں کے پشتی بان پائے گئے۔

دوسری طرف جو حکمران ہیں، ان کو ان ایشوز کی نزاکتوں کا علم ہے اور نہ ان کو اپوزیشن اور میڈیا کو لتاڑنے یا قابو کرنے سے فرصت، چنانچہ سوشل میڈیا پر ایک ایسی بحث چل نکلی ہے کہ جو فساد پھیلانے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہے، دوسری

طرف ہمارے تین دوست ممالک بھی اس میدان میں کود پڑے ہیں اور ڈیجیٹل میڈیا میں سرمایہ کاری کے ذریعے وہ اپنے قومی مفادات کی جنگ اور پراکسی وار کو پوری شدت کے ساتھ پاکستان منتقل کر رہے ہیں جو یہاں فرقہ واریت کی شکل اختیار کر رہی ہے۔

انڈیا جیسے دشمنوں نے بلوچستان کے علاوہ اب زیادہ نظریں گلگت بلتستان، بلوچستان، کرم ایجنسی اور کراچی جیسی جگہوں پر جما رکھی ہیں لیکن بد قسمتی سے ان سب جگہوں کو ہمارا مقتدر اور حکمران طبقہ اس آئینے میں نہیں، بلکہ وقتی سیاسی مفادات کے آئینے میں دیکھ رہا ہے، مثلاً گلگت بلتستان میں سابق وزیر اعلیٰ حافظ حفیظ الرحمٰن نے بڑی حکمت کے ساتھ اس مسئلے کو قابو کر رکھا تھا۔

اب سیاسی بنیادوں پر ایک ضعیف بیوروکریٹ کو نگران وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا ہے جبکہ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ نگران کابینہ کے بعض وزیر پیسے لے کر لگائے گئے ہیں، گویا ایک طرف گلگت بلتستان دشمن کے نشانے پر ہے اور دوسری طرف ہم نے اس کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا ہے، حکومت کی وہاں ترجیح ان مسائل پر توجہ دینا نہیں بلکہ اگلے الیکشن میں سابقہ الیکشن کی تکنیک استعمال کر کے اپنی جیت نظر آتی ہے، متحدہ مجلس عمل اور ملی یکجہتی کونسل جیسی تنظیموں کا کردار کئی حوالوں سے قابل اعتراض بھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرقہ واریت کے مسئلے کو کنٹرول کرنے میں ان تنظیموں نے اہم کردار بھی ادا کیا تھا۔

اب المیہ یہ ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن اور جماعت اسلامی جیسی تنظیمیں سیاسی عمل سے باہر کر دی گئی ہیں جس کی وجہ سے وہ ماضی کی طرح قائدانہ کردار ادا کرنے کو تیار بھی نہیں جبکہ مسئلے کو سرکاری مولویوں یا پھر ان لوگوں کے ذریعے حل کرنے کی

کوشش کی جا رہی ہے جو خود فرقہ واریت کے فروغ میں ملوث رہے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس وقت خفیہ ایجنسیاں بھی دن رات فساد پھیلانے والے ان عناصر کا پیچھا کرتیں اور پولیس کی بھی اولین ڈیوٹی ان لوگوں کی سرکوبی ہوتی لیکن بدقسمتی سے خفیہ ایجنسیوں کا داخلی کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ ان ایشوز پر کماحقہ توجہ نہیں دے سکتیں جبکہ پولیس کو تو مفلوج کر دیا گیا ہے۔

ہم ریپ جیسے سنگین مسائل کا تو ذکر کر رہے ہیں اور یقیناً فساد فی الارض کے قرآنی قانون کی رو سے ریپ جیسے جرائم کے لئے سنگین ترین سزائیں تجویز کی جانی چاہئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت صحابہ کرامؓ یا پھر اہلِ بیت اطہار کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں، وہ فساد فی الارض کے بدترین شکل کے مرتکب ہو رہے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں کہ انہیں اور ان کے سہولت کاروں کو عبرتناک سزائیں دینی چاہئیں۔

قرآن میں سخت ترین اور عبرت ناک طریقے سے قتل کی سزا فساد فی الارض پھیلانے والوں کی بیان کی گئی ہے اور جو لوگ اس وقت کسی بھی نیت سے شیعہ سنی فساد کروانا چاہتے ہیں، ان سے بڑا فسادی کوئی نہیں۔ یوں ریپ کے مجرموں سے بھی زیادہ عبرتناک سزائیں ان لوگوں کو ملنی چاہئیں۔

یہ اس ملک کے اصل چیلنجز اور مسائل ہیں لیکن نہ کبھی عمران خان کے منہ سے ان کا ذکر سننے کو ملتا ہے، نہ بلاول کے منہ سے اور نہ ہی نواز شریف کے منہ سے۔ بدقسمتی سے جن لوگوں نے، ان شرپسند عناصر سے نمٹنا تھا، وہ سیاستدانوں اور میڈیا کو سیدھا کرنے میں لگے ہیں جبکہ دوسری طرف یہ شرپسند اور ان کے سرپرست دندناتے پھر رہے ہیں، اب یہ تاتاریوں کے حملے کے وقت کے بغداد والی کیفیت ہے یا نہیں؟

دور حاضر میں مسلم امہ کی زبوں حالی اور اصل بربادی کا ایک سبب مغرب کی غلامی، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید اور بے جا پیروی بھی ہے، ہم نے بلا سوچے سمجھے مغرب کی ہر وہ چیز اپنالی جو ہمیں چمکتی نظر آئی، لیکن ہر چمکتی شے سونا نہیں ہوتی، آج جس درد کی ٹیسیں مسلم امہ کے بدن سے اٹھ رہی ہیں، یہ انہی مغربی اداؤں پر مر مٹنے کا نتیجہ ہے، ہم نے اپنی روایات اور اپنی تہذیب کو یکسر فراموش کر دیا جس کے نتیجے میں ملنے والے درد سے اس وقت پوری امت مسلمہ کراہ رہی ہے۔

تہذیب اسلامی کے ساتھ ہمارا رشتہ جب تک مضبوط رہا، باطل کے ایوانوں میں مسلم روایات اور تہذیب اسلامی کے خلاف زبان کھولنا بھی آسان نہ تھا، اب یہ رشتہ کمزور تو ہوا سو ہوا الٹا ہم نے اپنی ہی تہذیب اور روایات کے ساتھ دشمنی اختیار کر لی، مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اس کا ہر گزرتا دن اپنے گزرے ہوئے کل سے بہتر ہوتا، مگر دردناک حقیقت یہ ہے کہ ہر نیا طلوع ہونے والا سورج ہمیں تاریکیوں اور پستیوں میں دھکیل کر غروب ہوتا ہے، کچھ عرصہ سے وطن عزیز میں عجب ہوا چلی ہے، عوام الناس کی دل آزاری اور ان کے مذہبی جذبات سے کھیلنا خواص کا دل پسند مشغلہ بن گیا ہے، صدیوں پرانی اسلامی روایات اور تہذیب اسلامی کی بنیادوں کو کھود کر کمزور

کرنے کے لئے پورا زور لگایا جارہا ہے اور اس کے لئے تمام حربے اختیار کیے جارہے ہیں، لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کسی بھی دور میں اسلامی تہذیب نے شکست نہیں کھائی، شکست اگر کھائی ہے تو مسلمان نے کھائی ہے۔

تاریخ اسلام کے سرد خانے میں رکھے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے تابوت دلِ مسلم میں ہمیشہ اس غم کو زندہ رکھیں گے کہ مسلمانوں کی ساری شان و شوکت کا زوال مسلمانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے ہوا، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب تک ہم نے قرآن کو سینوں سے لگائے رکھا اور صاحب قرآن ﷺ کی محبت کو اپنا کامل ایمان سمجھا، نہ عسکری میدانوں میں مسلمان کو شکست ہوئی اور نہ علم و عرفان کی امامت اس کے ہاتھ سے گئی۔

مساجد کو اسلامی تہذیب میں خاص اہمیت حاصل ہے، سب مسجدوں سے افضل مسجد حرام شریف (مکہ معظمہ) پھر مسجد نبوی شریف (مدینہ منورہ) پھر مسجد قدس (بیت المقدس) اور پھر مسجد قبا (مدینہ طیبہ)۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ بازار ہیں۔

اب یہ میرے وطن عزیز میں کیا غضب ہو رہا ہے کہ مساجد کے تقدس کو مسلسل پامال کیا جارہا ہے، یہ کس کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جارہا ہے؟ یہ کون لوگ ہیں اور کس کی اجازت سے اپنے کیمرے اور باجے گاجے اٹھائے مسجدوں میں گھس آتے ہیں اور ناچ گانوں کی عکس بندی کرتے ہیں ایک تسلسل کے ساتھ مساجد کو اس ناپاک اور قبیح حرکتوں کے لئے منتخب کیا جارہا ہے، مسجد جہاں داخل ہونے کے لئے بتادیا گیا کہ بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کون سا پاؤں

پہلے اندر رکھنا ہے اور کون سا پاؤں پہلے باہر نکالنا ہے، آواز کتنی بلند رکھنی ہے، اور آدابِ نشستِ و برخاست کیا ہیں، ان مسجدوں میں جوتوں سمیت کیمرے اٹھائے عکس بندی کرنے اور مقدس مقامات کے تقدس کو پامال کرنے، اور دوران شوٹنگ مسجد کے اندر خواتین اور مردوں کے لباس تبدیل کرنے جیسے قابل مذمت اقدام کی اجازت دینے والے جان لیں کہ اگر ہم اپنی اقدار و روایات پر واپس نہیں آئے تو باطل قوتیں اسی طرح ہم پر غلبہ پاتی رہیں گی۔

کچھ عرصہ قبل ایک ویڈیو فیس بک اور یوٹیوب پر مسلسل مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنی رہی، محو حیرت ہوں کہ کیا ضروری ہے کہ مسجدوں کے میناروں کے سائے میں ہی رقص کیا جائے، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اور کیوں ہو رہا ہے؟ احکام شریعت کے حصہ اول میں صفحہ پر درج ہے کہ مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے۔

احادیث میں اس کی سخت ممانعت وارد ہے کُجا یہ کہ مساجد میں رقص کیا جائے اور گانے فلمبند کیے جائیں۔ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور عبادت کی جگہ ہیں، یہ ہر گز ہر گز پکنک پوائنٹ اور سیر گاہیں نہیں ہیں۔

لاہور کی تاریخی مساجد خصوصاً بادشاہی مسجد یا فیصل مسجد اسلام آباد اور دیگر بھی کئی مساجد بلاشبہ طرز تعمیر کی عمدہ مثال ہیں، مسجد قرطبہ کی طرح دیگر مشہور مساجد بھی مسلمانوں کے جمیل و جلیل ماضی کا شاہکار ہیں اور جلال و جمال اسلام کا آئینہ ہیں، مسلمان اس آئینے میں اپنے ماضی کا عکس دیکھ سکتا ہے لیکن ان مقدس مقامات کو تفریح گاہوں میں تبدیل ہوتا دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

کہتے ہیں جس قوم کا دانش ور طبقہ اپنے قول و فعل اور کردار سے غافل ہو جائے اس قوم کا زوال بہت جلد اس کی دہلیز پر دستک دینے لگتا ہے۔ جو حق کے راستے میں

سرخرو ہوگا اسی کا نام زندہ رہے گا، خدارا ہوش کے ناخن لیں، ارباب اختیار اس رواج پاتی ''ہوا'' کو روکیں، مساجد عبادت کی جگہ ہیں، یہاں فلموں اور گانوں کی عکس بندی پر مکمل پابندی ہونی چاہیے اور آزاد خیالی کے پردے میں چھپی ان سازشوں کو پہچانیں جو ہماری نظریاتی، تہذیبی اور اسلامی روایات کے قلعوں میں نقب لگا رہی ہیں، ارباب اقتدار واختیار سے گزارش ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح ہونے سے بچائیں۔

عوام الناس کی دل آزاری نہ ہونے دیں، لوگ بے روزگاری، مہنگائی برداشت کرلیں گے، کر رہے ہیں لیکن ان کے عقائد سے کھیلنا، مقدس ہستیوں کی تکذیب، مقدس مقامات کی بے حرمتی ناقابل برداشت عوامل ہیں، ٹوٹے دلوں کے مجروح آبگینوں میں پکنے والا لاوا بہہ نکلا تو سب کچھ جل کر خاکستر ہو جائے گا، وقت کو پہچانیں ورنہ وقت آپ کی ہر شناخت ختم کردے گا۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

(نواب زادہ سے مولاناتک) سے معنون کالم میں معروف کالم نگار، اینکر پرسن جناب محترم حامد میر صاحب نے مولانا فضل الرحمان صاحب کے سیاسی نشیب وفراز، سیاسی جدوجہد وتگ وتاز کے حوالہ سے ایک کالم روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ پر نذر قارئین کیا، ہم روزنامہ جنگ کے شکریہ کے ساتھ ماہنامہ آب حیات کے قارئین تک پہنچارہے ہیں۔(حدوٹی مدیر اعلیٰ)

یہ خبر مجھ ناچیز کے لئے کوئی خبر نہ تھی۔ پہلے سے اندازہ تھا کہ لندن میں مقیم سابق وزیراعظم نواز شریف ہر صورت میں اپوزیشن جماعتوں کے نئے اتحاد پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ کا سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کو بنوا کر رہیں گے۔ ۳۱اکتوبر ۲۰۲۰ء کو جب یہ اعلان سامنے آیا کہ پی ڈی ایم کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن ہوں گے تو مجھے اکتوبر ۲۰۰۲ میں نوابزادہ نصراللہ خان مرحوم کے ساتھ اسلام آباد میں ہونے والی ایک ملاقات یادآگئی جس کا موضوع مولانا فضل الرحمٰن تھے۔

۲۰۰۲ کے انتخابات میں جنرل پرویز مشرف کی بنائی گئی مسلم لیگ (ق) سادہ اکثریت حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ نوابزادہ صاحب نے پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن سمیت دینی جماعتوں کے اتحاد متحدہ مجلس عمل کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیا اور مشرف مخالف جماعتوں کو قائل کر لیا کہ اگر مولانا فضل الرحمٰن کو وزارتِ

عظمیٰ کا امیدوار بنایا جائے تو نا صرف وفاق میں بلکہ سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں بھی مشرف مخالف اتحاد کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

آصف علی زرداری اڈیالہ جیل راولپنڈی میں قید تھے لیکن مولانا فضل الرحمٰن کو وزیراعظم بنانے پر راضی تھے، دبئی میں مقیم محترمہ بے نظیر بھٹو قائل نہ ہو پا رہی تھیں، نوابزادہ نصراللہ خان مجھے بتا رہے تھے کہ اگر مولانا فضل الرحمٰن وزیراعظم بن گئے تو بے نظیر بھٹو اور نواز شریف دونوں کی پاکستان واپسی ممکن ہو جائے گی اور آخر کار ہم جنرل پرویز مشرف کو بھی نکال باہر کریں گے۔

میں نے بڑی سادگی سے پوچھا کہ نوابزادہ صاحب ایم ایم اے کو کچھ لوگ مُلا ملٹری الائنس کیوں کہتے ہیں؟ نوابزادہ صاحب نے قدرے تلخ لہجے میں کہا کہ جب پیپلز پارٹی کو ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق سے لڑنا تھا تو اُس وقت بیگم نصرت بھٹو صاحبہ نے مجھے کہا کہ مولانا مفتی محمود کو بھی بحالی جمہوریت کی تحریک میں شامل کریں اور مولانا صاحب راضی بھی ہو گئے لیکن ۱۴اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اُن کا انتقال ہو گیا، اُن کے برخوردار مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے والد کے وعدے کا پاس رکھا اور جب ایم آر ڈی بنی تو وہ نہ صرف اس میں شامل ہوئے بلکہ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

نوابزادہ صاحب نے کہا کہ ۱۹۸۸ء میں جب آئی جے آئی بنائی گئی تو مولانا فضل الرحمٰن سے رابطہ کیا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا، ایم آر ڈی کا حصہ بننے پر جمعیت علماء اسلام میں گروپ بندی ہو گئی، آئی جے آئی میں مولانا سمیع الحق چلے گئے، مولانا فضل الرحمٰن نے انکار کر دیا، اب اگر ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں مولانا فضل الرحمٰن نے بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے تو اسے مُلا ملٹری الائنس کہنا زیادتی ہے، پھر نوابزادہ

صاحب بتانے لگے کہ ۱۹۶۷ء میں جنرل ایوب خان کے خلاف پاکستان ڈیمو کریٹک موومنٹ کے نام سے اتحاد بنایا گیا تو انہیں پہلی دفعہ کسی اتحاد کا سربراہ بنایا گیا تھا۔

اس اتحاد میں عوامی لیگ شامل نہ تھی، کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اس اتحاد میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو بھی شامل کر لیا اور اس اتحاد کا نام ڈیمو کریٹک ایکشن کمیٹی رکھا گیا، اس اتحاد کے قیام کا اعلان ۸ جنوری ۱۹۶۹ء کو ہوا اور جنرل ایوب خان نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو استعفے کا اعلان کر دیا، نوابزادہ صاحب بار بار کہہ رہے تھے کہ میں نے ایوب، یحییٰ اور ضیاء کے زوال میں اہم کردار ادا کیا، اب میں مشرف کو نکال کر مرنا چاہتا ہوں لیکن اس کیلئے مولانا فضل الرحمٰن کو وزیر اعظم بنانا ضروری ہے،

مولانا فضل الرحمٰن ۲۰۰۲ء میں وزیر اعظم نہ بن سکے اور کچھ عرصے کے بعد نوابزادہ نصر اللہ خان اس دنیا سے چلے گئے، عجیب اتفاق ہے کہ نوابزادہ صاحب پہلی دفعہ جس اتحاد کے سربراہ بنے تو اس کا نام پی ڈی ایم تھا اور مولانا فضل الرحمٰن بھی پہلی دفعہ ایک سیاسی اتحاد کے سربراہ بنے ہیں تو اس کا نام بھی پی ڈی ایم ہے، نوابزادہ صاحب نے پی ڈی ایم میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو شامل کر کے جنرل ایوب خان کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

اگر مولانا فضل الرحمٰن بھی پی ڈی ایم کی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں اس اتحاد کو وسیع کرنا ہوگا، نوابزادہ نصر اللہ خان کے اتحاد پی ڈی ایم میں جماعت اسلامی شامل تھی لیکن مولانا فضل الرحمٰن کے موجودہ اتحاد پی ڈی ایم میں جماعت اسلامی شامل نہیں ہے۔

نوابزادہ نصر اللہ خان کی جدوجہد ایوب خان کے خلاف تھی اور مولانا فضل الرحمٰن کی جدوجہد عمران خان اور اُن کے سرپرستوں کے خلاف ہے لیکن جب ہم

نوابزادہ صاحب کی پی ڈی ایم اور مولانا صاحب کی پی ڈی ایم کے مطالبات کا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ۱۹۶۷ء کی پی ڈی ایم بھی نئے انتخابات کا مطالبہ کر رہی تھی، ۲۰۲۰ء کی پی ڈی ایم بھی نئے انتخابات کا مطالبہ کر رہی ہے۔

۱۹۶۷ء کی پی ڈی ایم بھی میڈیا کی آزادی اور عدلیہ کی خود مختاری کا مطالبہ کر رہی تھی اور ۲۰۲۰ء کی پی ڈی ایم بھی یہی مطالبات کر رہی ہے۔ ۱۹۶۷ء میں صدارتی نظام تھا اور اس وقت کی پی ڈی ایم پارلیمانی نظام کا مطالبہ کر رہی تھی، ۲۰۲۰ء میں پارلیمانی جمہوریت رائج ہے لیکن آج کی پی ڈی ایم وارننگ دے رہی ہے کہ صدارتی نظام قبول نہیں کریں گے، کیا یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ ۲۰۲۰ء کی اپوزیشن وہی مطالبات کیوں کر رہی ہے جو ۱۹۶۷ء کی اپوزیشن کر رہی تھی؟ کیا ہم آگے کی بجائے پیچھے کی طرف جا رہے ہیں؟ ہم مولانا فضل الرحمٰن سے سو اختلاف کریں لیکن کیا یہ درست نہیں کہ ۲۰۰۲ء میں عمران خان نے قومی اسمبلی میں اُنہیں وزارتِ عظمیٰ کا ووٹ دیا تھا؟ آپ مولانا فضل الرحمٰن کو بنیاد پرست کہیں یا انتہا پسند، لیکن جب انہوں نے ۱۹۹۴ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے پہلی دفعہ خطاب کیا تو عمران خان ابھی سیاست میں نہ آئے تھے۔

ہم کئی معاملات پر مولانا صاحب سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ انہوں نے بلٹ کے بجائے بیلٹ کی سیاست کا راستہ اختیار کیا، بیلٹ باکس میں ووٹوں کی چوری کا شکوہ انہوں نے ۲۰۱۸ء میں شروع نہیں کیا، وہ تو ۱۹۹۰ء سے یہی شکوہ کر رہے ہیں، مولانا پر بہت دباؤ ڈالا گیا کہ آپ بیلٹ کا راستہ چھوڑ دیں اور بلٹ کے ذریعہ پاکستان میں شریعت نافذ کریں، جب انہوں نے انکار کیا تو ان پر بار بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ ۲۳ اکتوبر ۲۰۱۴ء کو کوئٹہ میں ہونے والا خودکش حملہ اتنا

خوفناک تھا کہ اس کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ مولانا کو سیاست چھوڑ دینی چاہئے۔

مولانا سیاست چھوڑ دیتے تو یہ بلٹ والوں کی کامیابی کہلاتی لیکن انہوں نے بیلٹ کا راستہ نہیں چھوڑا، اسی بیلٹ کے راستے پر چلتے ہوئے وہ نواز شریف سے جا ملے جو ووٹ کو عزت دو کا نعرہ لگا رہے ہیں، مولانا فضل الرحمٰن کی زندگی میں اکتوبر بہت اہم رہا ہے۔

حکومت نے نواز شریف کی تقاریر نشر کرنے پر علانیہ اور مولانا فضل الرحمٰن کی تقاریر نشر کرنے پر غیر علانیہ پابندی لگا رکھی ہے، پابندیوں کے خلاف اس تحریک میں مولانا نے پی ڈی ایم کو قائم رکھا تو وہ آج کے ایوب خان کو شکست دیدیں گے بصورت دیگر جدوجہد تو جاری رہے گی۔(روزنامہ جنگ تمام ایڈیشنز)

ادارتی نوٹ: اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب کو جن صلاحیتوں اور سیاسی بصیرت سے نوازا ہے یہ محض اللہ کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ وطن عزیز پاکستان میں اس پائے کا عالم دین موجود ہے، جو دیگر سیاست دانوں، عمائدین حکومت اور وطن عزیز کے مقتدر طبقہ کو وقتاً فوقتاً نہیں بلکہ مسلسل راہنمائی کرتا رہتا ہے، وہ کل وقتی سیاست دان ہیں، ان کی سیاسی بصیرت کے اپنے اور پرائے سب ہی معترف ہیں، سیاست دان بھی اور ارباب عساکر بھی ان کی صلاحیتوں اور سیاست بصیرت کے قائل ہیں، وہ مفاداتی کشتی میں سوار ہونے کی بجائے حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیاست کاری کرتے ہیں، اقتدار محض اقتدار ان کے پیش نظر نہیں ہے، وہ ایک نظریاتی سیاست دان ہیں، ان کی تقاریر، ان کے بیانات اور پریس کانفریسیں اس بات کی گواہ ہیں، وہ جذباتی پن کے اظہار کی بجائے حقائق کی دنیا کے آدمی ہیں۔ حدوٹی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بہت سخت اور ایک دوسرے پر نہایت مہربان ہیں'' (الفتح:۲۹)۔ اِس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے اصحاب و رفقا کی یہ صفت اور شان بیان فرمائی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت ہیں، لیکن اُن کے باہمی تعلقات، برتاؤ اور رویہ نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس بات کا واضح اعلان ہے کہ جن ہستیوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوا، خواہ اُن کا تعلق براہِ راست خاندانِ نبوت سے تھا یا وہ آپ ﷺ کے دیگر اصحاب و رفقا تھے، وہ سب باہم ایک دوسرے سے محبت و ہمدردی رکھتے تھے، ان کے مابین عمومی طور پر کوئی دشمنی اور عداوت نہ تھی۔

صحابہ کرامؓ کے مابین بعض مشاجَرات اور تنازعات تاریخِ اسلام کا انتہائی تلخ اور ناخوشگوار باب ہیں، کاش کہ یہ وقوع پذیر نہ ہوتے، لیکن تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، ان امور پر بحث اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہے بلکہ قرآنِ کریم کا صحابۂ کرامؓ کے باہمی تعلقات کے حوالے سے جو صریح اور دوٹوک اعلان ہے، اسے بیان

کرنا مقصود ہے، ہمارا یہ منصب نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے باہمی مناقشات کے حوالے سے عدالت لگا کر بیٹھ جائیں اور یہ کسی صاحب ایمان کے شایانِ شان بھی نہیں ہے، اس حوالے سے اہلسنّت و جماعت کا متفقہ مؤقف سب کو معلوم ہے، ہم امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتے ہیں اور ان کے مخالف موقف کو اجتہادی خطا پر محمول کرتے ہیں، ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصل ہوں گے، صحابہ میں سے کوئی ایمان لانے میں مقدم ہو یا مؤخر، افضل ہو یا مفضول، اللہ تعالیٰ نے سب سے حُسن عاقبت کا وعدہ فرمایا ہے، ہم صحابہ کرامؓ کے مودّت و محبت پر مبنی باہمی تعلقات پر گفتگو کر رہے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کی تصویر ہیں:

① ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدّیقؓ کے سامنے اہلِ بیت کا ذِکر ہوا تو آپ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ (بخاری: ۳۷۱۲)

② حضرت عُقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں: ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ چل دیے، راستے میں حضرت حسنؓ بن علی کو بچّوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں اپنے کندھے پر اُٹھالیا اور فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ شکل و شباہت میں حضرت علیؓ کے نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شبیہ (ہم شکل) ہیں، حضرت علیؓ یہ منظر دیکھ کر مسکرا رہے تھے" (بخاری: ۳۵۴۲)، ③ ایک بار حضرت عمرؓ سیدہ فاطمہ زہراؓ کے ہاں تشریف لے تو فرمایا: اے فاطمہ! اللہ کی قسم! آپ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

محبوب نہیں دیکھا اور خدا کی قسم! آپ کے والدِ گرامی کے بعد لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے آپ سے بڑھ کر عزیز و پیارا نہیں'' (المستدرک للحاکم: ۴۷۳۶)۔

④ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں: میں نے اندازِ تکلّم میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا، جب حضرت فاطمہؓ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُنہیں بوسہ دیتے اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں اپنی جگہ بٹھاتے اور جب رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں'' (المستدرک: ۴۷۵۳)۔

⑤ حضرت عبداللہؓ بن عباس بیان کرتے ہیں: جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں شہرِ مدائن فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں چمڑے کا بچھونا بچھوا کر سارا مالِ غنیمت اُس پر ڈال دیا، سب سے پہلے حضرت امام حسنؓ تشریف لائے اور فرمایا: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں جو ہمارا حق مقرر کیا ہے، ہمیں عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا: ضرور ملے گا اور ایک ہزار درہم اُنہیں دے دیے، ان کے جانے کے فوراً بعد حضرت حسینؓ تشریف لائے، آپ نے اُنہیں بھی ایک ہزار درہم دیے، پھر ان کے جانے کے فوراً بعد حضرت عمرؓ کے اپنے بیٹے عبداللہ تشریف لائے تو آپ نے اُنہیں پانچ سو درہم دیے، اُنہوں نے کہا: امیر المومنین! میں نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں جوان تھا اور میں آپؐ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوا کرتا تھا، جبکہ حضراتِ حسنین کریمین اس وقت چھوٹے بچے تھے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے، آپ نے انہیں ہزار ہزار درہم اور مجھے صرف پانچ سو درہم دیے ہیں، میرا حق اُن سے زیادہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرے بیٹے پہلے وہ مقام اور فضیلت تو حاصل کرو جو حسنین کریمینؓ کو حاصل ہے اور پھر مجھ سے ہزار درہم کا مطالبہ کرنا، ان کے والدِ

گرامی علی المرتضیٰؓ ہیں، ان کی والدہ فاطمۃ الزہراؓ ہیں، ان کے نانا رسولِ خدا ہیں، ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں، ان کے چچا جعفرِ طیارؓ ہیں، ان کی پھوپھی اُم ہانیؓ ہیں، ان کے ماموں ابراہیمؓ بن رسول اللہ ہیں، ان کی خالہ رقیہؓ واُم کلثومؓ دخترانِ پیغمبر ہیں، یہ سن کر حضرت عبداللہؓ بن عمر خاموش ہو گئے'' (اَلرِّیَاضُ النَّضْرَۃ: ج:۲، ص:۳۴۰)۔

(۶) جب ابولولوء لعین کے قاتلانہ حملے سے حضرت عمرؓ شدید زخمی ہو گئے تو حضرت علیؓ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے، حضرت عمرؓ رونے لگے تو حضرت علیؓ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا: موت کا پروانہ آچکا ہے اور میں نہیں جانتا کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہو گا یا جہنم میں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ کو جنت کی بشارت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکرؓ و عمرؓ اہلِ جنت کے سردار ہیں اور یہ بات میں نے نبی کریم ﷺ سے اتنی مرتبہ سنی ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا'' (مختصر تاریخ دمشق: ج:۱۸، ص:۲۹۸)،

(۷) حضرت علیؓ کی حضرت عمرؓ کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے بطن سے پیدا ہونے والی اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمرؓ سے کرایا اور حضرت عمر نے اُن کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے چالیس ہزار درہم اُن کا مہر مقرر کیا'' (سنن بیہقی: ۱۴۳۴۱)،

(۸) ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا: عمر اہلِ جنت کے چراغ ہیں، جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے میرے بارے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں تو فوراً آپ کے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا: علیؓ! کیا آپ نے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اہلِ جنت کا چراغ کہا ہے؟ فرمایا: ہاں! میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے

سنی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا: علیؓ! یہ حدیث آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر دے دیں، حضرت علیؓ نے اپنے دستِ مبارک سے بسم اللہ کے بعد لکھا: یہ وہ بات ہے جس کی ضمانت علیؓ، عمرؓ کے لیے دیتا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے جبریل امین سے سنا، اُنہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سنا کہ عمرؓ اہلِ جنت کے چراغ ہیں۔

حضرت علیؓ کی یہ تحریر حضرت عمرؓ نے لے لی اور اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ جب میری وفات ہو جائے تو غسل و تکفین کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دینا، جب آپ شہید ہوئے تو حسب وصیت وہ تحریر آپ کے کفن میں رکھ دی گئی۔ (اَلرِّیَاضُ النَّضْرَہ، ج: ۲، ص: ۳۱۱تا۳۱۲)"۔

⑨ امام دار قطنی بیان کرتے ہیں: حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حضرت علیؓ کی مذمت کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے تُو علیؓ کو نہیں پہچانتا، وہ حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں، پھر آپ نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم! تو نے اُنہیں اذیت پہنچائی جو اس قبر میں آرام فرما ہیں" (اَلصَّوَاعِقُ الْمُحْرِقَہ، ج: ۲، ص: ۵۱۷)،

⑩ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دن حضرت حسنؓ ان کے دروازے پر تشریف لائے، دیکھا کہ اُن کے بیٹے عبداللہ کھڑے ہیں اور حاضری کی اجازت طلب کر رہے ہیں، اتفاق سے اُنہیں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملی، اس پر حضرت حسنؓ واپس تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسنؓ واپس چلے گئے ہیں تو آپ نے فوراً حضرت حسنؓ کو بلوایا اور فرمایا: مجھے آپ کے آنے کی اطلاع نہیں تھی، حضرت حسنؓ نے فرمایا: میں اس خیال سے واپس چلا گیا کہ جب آپ نے اپنے

بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! آپ اجازت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اور عمر کے سر پر یہ جو بال اُگے ہیں یہ اللہ کے بعد تمہارے سوا کس نے اُگائے ہیں؟ (یعنی مجھے یہ مقام اور مرتبہ تمہارے نانا کی برکت سے ملا ہے) اور فرمایا: آپ جب کبھی تشریف لائیں تو بغیر اجازت اندر آجایا کریں'' (اَلصَّوَاعِقُ المُحْرِقَہ: ج:۲، ص:۵۲۱)،

⑪ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کی حضرت حسینؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے پیٹ پر بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کو اُسی جگہ بوسہ دوں، پس حضرت حسین نے اپنا کپڑا اہٹایا اور حضرت ابوہریرہ نے آپ کے پیٹ پر بوسہ دیا'' (المستدرک: ۴۷۸۵)۔

⑫ حضرت ابوہریرہؓ جب مرضِ وفات میں مبتلا تھے تو مروان بن حکم اُموی آپ کی عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا: جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں، سوائے اس سے کہ آپ حضراتِ حسنین کریمینؓ سے محبت رکھتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ سمٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں، ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ایک جگہ آپ نے حضرات حسنین کریمینؓ کے رونے کی آواز سنی، حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں، آپ تیز چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا: ہمارے بیٹوں کو کیا ہوا ہے، حضرت فاطمہؓ نے عرض کی: یہ پیاسے ہیں، آپ نے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، پھر آپ نے اپنے رفقاءِ سفر سے پانی طلب کیا، تمام لوگ پانی کے برتن کی طرف لپکے لیکن اتفاق سے کسی کے پاس پانی موجود نہیں تھا، تو آپ نے باری باری حضرات حسنین کریمینؓ کو اپنی زبان مبارک چسائی، جب انہیں سکون ہوا، تو آپ کو اطمینان ہوا،

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: اسی لیے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں'' (المعجم الکبیر: ۲۶۵۶)

⑬ایک مرتبہ حضرت امیر مُعاویہؓ نے حضرت امام حسنؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ آباؤ اجداد، چچا و پھوپھی اور ماموں و خالہ کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہیں'' (اَلعِقدُالفَرِید: ج: ۵، ص: ۳۴۴)،

⑭حضرت امیر معاویہؓ سالانہ وظائف کے علاوہ مختلف مواقع پر حضرات حسنین کریمینؓ کی خدمت میں بیش بہانذرانے پیش کیا کرتے تھے، ایک بار آپ نے پانچ ہزار دینار، ایک بار تین لاکھ درہم اور ایک بار چار لاکھ درہم دیے'' (سیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاء، ج: ۴، ص: ۳۰۹)۔ ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ گلستانِ نبوت کے گل ہائے مشک بار کے ساتھ کیسی محبت رکھتے تھے اور گلشنِ نبوت کے یہ غنچہ ہائے سدابہار صحابہ کی کیسی تکریم فرماتے تھے۔

تحریر: مولانا محمد عثمان انیس درخواستی

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رشد وہدایت اور فوز وفلاح کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے سب سے آخر میں حضور ﷺ کو نبوت عطا فرمائی اور اعلان فرمادیا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں عطا کی جائے گی، آپ ﷺ خاتم الانبیاء کے اعزاز سے نوازے گئے، اب قیامت تک آپ ﷺ ہی کی نبوت کا سکہ رائج رہے گا، اس لیے آپ ﷺ کی امت کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسی ہمہ گیر شخصیات کو پیدا فرمایا جو اس امت کی ہر میدان میں راہنمائی فرمائیں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے العلماء ورثۃ الانبیاء کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں۔

انہی وارثین انبیاء، جامع کمالات شخصیات میں سے ایک ایسی شخصیت کو تاریخ شیخ التفسیر محدث جلیل حضرت مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ: آپ کی ولادت ۱۳ اگست ۱۹۶۳ء بروز جمعرات بستی درخواست میں ہوئی، آپ کا نام نامی اسم گرامی انیس الرحمان تھا، آپ کے والد گرامی کا نام حضرت مولانا عبدالرؤف درخواستیؒ تھا، وہ ایک نہایت ہی متقی، شریف النفس، شب بیدار، قرآن وحدیث سے سچی محبت کرنے والے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی کی سب سے بڑی صاحبزادی اور رابعہ وقت ہونے کے ساتھ ام العلماء ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہیں، اپنے والد محترم سے قرآن مجید مکمل حفظ کیا، حفظ مکمل کرنے کے بعد پہلی مرتبہ جب رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن مجید کی تکمیل ہوئی تو آپ کے والد محترم نے خوشی میں لوگوں کی بڑی دعوت کی، اور جب مخزن العلوم خانپور کی جامع شاہی مسجد میں تراویح میں مکمل قرآن کریم سنایا تو آپ کے نانا جان حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے خوشی میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا، درس نظامی کی ابتدائی تعلیم جامعہ مخزن العلوم خانپور سے حاصل کی اور مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی، زمانہ طالب علمی میں اساتذہ کے ادب واحترام ان کی قدر ومنزلت بھی خوب کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کے منظور نظر تھے، تعلیم کے دوران آپ کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعرات کو اسباق سے فراغت کے بعد شام کے وقت قرب وجوار کے گاؤں میں درس قرآن وحدیث دیتے اور عوام الناس کے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے۔

دورہ حدیث ۱۹۸۲ء میں کیا، دورہ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد آپ نے مدرسہ انوریہ طاہر والی کا رخ کیا، جہاں پیکر اخلاص وسادگی، مخدوم العلماء حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ سے اسباق کی تکمیل کی، اس سے اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ آپ اپنی علمی تشنگی بجھانے میں کس قدر حریص تھے۔

شیخ الاسلام مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مولانا شفیق الرحمان درخواستیؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مولانا امیر محمد تونسویؒ، مولانا واحد بخشؒ، مولانا محمد نادرؒ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن درخواستیؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیات آپ کے اساتذہ میں شامل تھیں، ان سے آپ نے اکتساب فیض کیا۔

تدریسی، تبلیغی زندگی کی جھلکیاں: دستارِ فضیلت پانے کے بعد آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز تدریس سے کیا، آپ نے مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد ضلع ملتان میں تدریس شروع کی، یہاں دو سال سال تک قیام رہا، خداداد صلاحیتوں اور تدریسی ملکہ کے باعث جلد ہی بڑے اساتذہ اور متبحر فی العلم لوگوں میں شمار ہونے لگے، صرف اور نحو پر ید طولی حاصل ہونے کے بعد اطراف واکناف میں رہنے والے شائقین علم وعرفان کے دلوں میں ایک مقام پیدا ہو گیا، استاذ الصرف والنحو مشہور ہو گئے۔

۱۹۸۶ء میں دار العلوم اسلامی مشن بہاولپور میں تدریس کے تیسرے سال ہی میں ابوداؤد اور طحاوی شریف کے ساتھ علوم اور فنون کے بہت سے اسباق پڑھائے اور صرف ونحو کے اسباق خصوصی طور پر شامل درس تھے، جامع مسجد قدسیہ بہاولپور میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیے، اپنے سامعین اور مقتدیوں کے دلوں میں اپنے عالی شان اخلاق کے باعث مقبول ہوئے۔

پھر جامعہ انوار القرآن کراچی میں قریباً چار سال تک منصب تدریس پر فائز رہے، آپ کے اسباق میں مشکوۃ المصابیح، ہدایہ، جلالین، ان تین اسباق میں صرف طلباء ہی شریک درس نہیں ہوتے تھے بلکہ شہر کے دیگر علماء کرام، مدرسین خصوصی طور پر درس میں شریک ہو کر استفادہ کرتے تھے، آپ کا اندازِ تدریس طلباء اور علماء دونوں کے حلقوں میں یکساں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پھر انہیں سرزمین خانپور میں اپنے فیضان کو عام کرنے کی دعوت دی گئی، چنانچہ جامعہ عبداللہ بن مسعود خانپور کے ذمہ داران نے نیابت و نظامت کے منصب کے لیے انہیں دعوت دی اور کراچی سے بلالیا، یہاں چند سالوں میں انہوں نے اس طرح شبانہ روز خدمات انجام دیں کہ جامعہ کا نام بڑے بڑے تعلیمی اداروں میں لیا جانے لگا

۱۹۹۳ء میں حضرت مولانا فداءالرحمان درخواستیؒ کی خواہش اور اصرار اور حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے حکم پر دوبارہ جامعہ انوارالقرآن کراچی میں بطور شیخ الحدیث و شیخ التفسیر، صدرالمدرسین، دینی خدمات انجام دینے کے لیے بلالیا گیا، جہاں انہوں نے تشنگان علوم دینیہ کی علمی پیاس بجھانے میں دن رات ایک کیے، دور دراز سے علم کے پیاسے علماء اور طلباء استفادہ کے لیے آتے رہے۔

مولانا انیس الرحمان درخواستی علم و عمل کے پیکر اور زہد واتقا کا مجسمہ تھے، ان سے اپنے بھی خوش اور پرائے بھی متاثر و مانوس تھے، وہ اپنی سادگی، للہیت، تقویٰ، طہارت، علم دوستی کی بناء پر ہر کسی کے دل میں گھر کیے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں گفتار اور کردار میں بڑی خوبیاں عطا فرما رکھی تھیں، ان کے بیانات اور مواعظ عوام و خواص سب میں یکساں پسند کیے جاتے تھے، صرف مردوں کے حلقے میں ہی نہیں بلکہ خواتین کے حلقوں میں بھی ان کے بیانات کو پسند کیا جاتا تھا

تصوف و سلوک میں حضرت خواجہ خواجگان، حضرت مولانا خان محمدؒ سجادہ نشین کندیاں شریف پنجاب سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا، ان کی مجلس میں حاضر ہو کر ادب و فنائیت کا یہ عالم ہوتا کہ گھنٹوں حضرت کی مجلس میں بیٹھتے مگر مجال ہے کہ زبان سے بے وجہ کوئی بات نکلے، صرف یہی نہیں بلکہ پوری نشست میں دوزانو اور گردن جھکائے بیٹھے رہنا ان کا معمول تھا، سینکڑوں طلباء اور علماء کو ظاہری اور باطنی

علوم سے فیض یاب کیا۔

کراچی میں درسِ نظامی کی تدریس کے ساتھ ساتھ الہدیٰ مسجد بفرزون میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، یہاں امامت وخطابت کے مختصر سے زمانہ میں مقبول خاص وعام ہو گئے تھے۔

آپ کا اندازِ خطابت اوراسلوب بیان بہت ہی دلکش اور دلچسپ تھا، مٹھاس اور شیرینی کے باعث شہر کے دور دراز علاقوں سے لوگ آپ کا بیان اور وعظ سننے بفرزون کی مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

آپ کے دروس کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ ہفتہ میں تین دن اپنی مسجد الہدیٰ اور باقی تین دن مختلف علاقوں کی مساجد میں دروس دیتے تھے، ہر جمعرات بعد نماز ظہر خواتین کو بیان فرماتے تھے اور ہر جمعہ کو بعد نماز عصر اپنی مسجد میں درسِ حدیث ارشاد فرماتے تھے،آپ کے اندازِ بیان اور درس کی جامعیت کے باعث عوام الناس کی ایک بڑی تعداد درس سننے آتی تھی،جب کہ محلہ کے مختلف گھروں میں اور دینی مدارس وجامعات کے پروگراموں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے،آپ کے کارہائے نمایاں میں سے یہ بھی ایک کارنامہ ہے جو کراچی میں عموماً اور جامع مسجد الہدیٰ میں خصوصاً یادگار رہے گا، ابھی تک لوگ اس وقت کو یاد کرکے آنسو بہاتے نظر آتے ہیں۔

تصانیف: حضرت مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہید نے جس طرح تدریس، تقریر اور مواعظ وبیانات کے ذریعے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کام کیا اسی طرح انہوں نے اپنے قلم کی نوک سے دینی کتابیں لکھ کر بھی دین اسلام کی ترویج واشاعت میں اپنا حصہ شامل فرمایا،ان کی چند تصانیف درج ذیل ہیں، کلمہ حق،الاربعین للدرخواستی

اِفادات: مواعظ درخواستی شہید، تنقیح البیان فی تفسیر القرآن، دو سورۃ الفاتحہ، دروس ترمذی، مخزن الصرف شرح ارشاد الصرف، خلاصۃ القراان، مقدمۃ القرآن، مقدمۃ الحدیث، تقریر مشکوٰۃ۔ چہل حدیث، فضائل شب قدر۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے آپ کو غالباً شہادت سے پہلے اشارہ دے دیا تھا، چند دن پہلے ایک خواب دیکھا جس کے بعد بڑے مسرور رہنے اور دکھائی دینے لگے، خوشی سے چہرہ کھلا کھلا دکھائی دیتا تھا، گھر میں بچوں سے کہا کہ ایک بہترین پاکیزہ خواب دیکھا ہے دعا کرو پورا ہو جائے، شہادت سے چند روز پہلے حدیث شریف کا سبق پڑھاتے ہوئے طلباء دین پور شریف کے قبرستان اور اکابرین علماء کے حالات وواقعات اور شہادت کی موت پر والہانہ انداز میں تبصرہ کیا پھر طلباء حدیث کو دعا کرنے کا کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کی موت نصیب فرمائے اور دین پور شریف کے قبرستان میں دفن ہونا نصیب کرے، طلباء حدیث نے آمین کہا اور اللہ نے یہ دعا قبول فرمالی۔

اس دعا کی تعبیر ۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء جمعۃ المبارک کے دن کراچی میں اس وقت پوری ہوئی جب کائنات کے ازلی بدبختوں کی گولیوں سے آپ چھلنی ہو کر زمین پر گر پڑے اور خون کے فواروں میں نام خدا زبان پر جاری ہو گیا، میں اس ساعت پر غم و پر ملال میں اپنے والد گرامی کے ہمراہ تھا، یہ منظر مجھے تاحیات کبھی فراموش نہیں ہو گا، جب وہ منظر نگاہوں کے سامنے گھومتا ہے تو بے ساختہ رونے لگتا ہوں اور اشکوں کی لڑی آنکھوں سے رخساروں پہ بہنے لگتی ہے، اس وقت بھی جب میں یہ سطور کھینچ رہا ہوں، آنسوؤں کی لڑی رواں دواں ہے، دل پر غم اور آنکھیں پر نم ہیں۔

کراچی سے آپ کا جسد خاکی اپنے آبائی علاقے خانپور میں لایا گیا، جہاں شیخ الحدیث والتفسیر مولانا شفیق الرحمان درخواستی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔
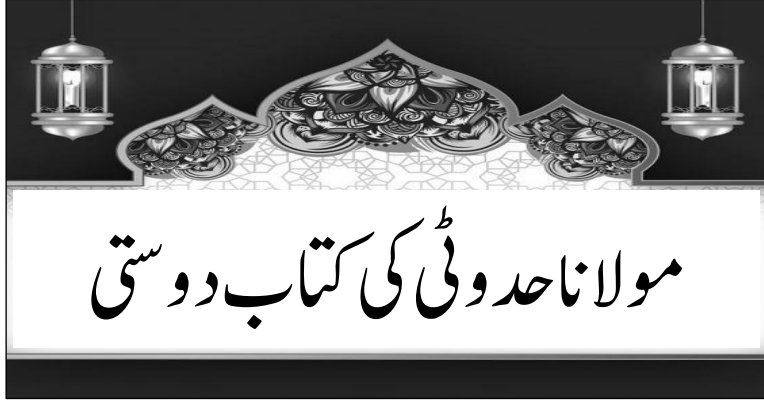
سید محمد آفتاب شاہ (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

الحمد للہ: مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب کی کتاب دوستی کو سلام عقیدت بلکہ مولانا حدوٹی کی شخصیت اس وقت علماء طلباء کے لئے بہترین مثال ہے اس فتنہ کے دور میں جب کہ عام بندہ موبائل سے فارغ نہیں ہوتا مولانا حدوٹی پابندی سے مطالعہ، تدریس، تصنیف وتالیف شعبہ فلاح وبہبود، خانقاہی نظام، کالم نویسی، امامت وخطابت اور ہر باطل قوت اور فتنہ کی سرکوبی اِشاعتِ دین اور علماء سے رابطہ رکھ کر بالکل اکابرین کی ترتیب کے مطابق خدمتِ دین میں ہمہ تن مشغول ہیں اللہ سلامت باکرامت مع سعادت تاقیامت رکھے، نظر بد اور دوستوں دشمنوں کے شر سے بھی محفوظ رکھے۔آمین

☆☆

میں سید محمد آفتاب شاہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون اور مشکور ہوں استاذی المکرم پیر علامہ محمود الرشید حدوٹی صاحب کا جو کہ میڈیا اور نیٹ کے پھیلے ہوے جال میں اور مصروفیت میں پھنسے لوگوں کو اکابرین کے مشن کے پر چلتے ہوئے

بار بار علم و آگہی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ میرا تعلق حدوٹی صاحب ۳۰ سال پرانا ہے اور میں ہر دور میں ان کو فتنوں کی سرکوبی کرتے ہوئے دیکھتا آیا ہوں، اپنے طور پر ان فتنہ پروروں کی اصلاح کبھی، تبلیغ، کبھی تقریر اور تزکیہ کے ذریعے کرتے دیکھتا آیا ہوں۔

جب کبھی لوگوں کو ضرورت پڑی کہ ان کو قرآن کی جانب راہنمائی دی جائے تو معارف الفرقان کے نام سے قرآن کریم کی عجیب تفسیر لکھ دی، جو سوال اور جواب کے انداز میں اپنے اندر نہ صرف دریا بکوزہ کا مصداق ہے بلکہ دلچسپی اور دلکشی کا بہترین شاہکار بھی ہے۔

امسال محرم الحرام میں ماتمی جلوسوں میں زنجیر زنی، سینہ کوبی کے ساتھ ساتھ جب اصحاب پیغمبر ﷺ کی شرعی عظمتوں کو پائمال کیا گیا، ان کے خلاف زبان کھولی گئی، سرعام بلکہ شاہراہ عام پر جب ان مقدس ہستیوں پر زبان تبرا کھولی گئی اور سیدنا ابو بکر اور سیدنا امیر معاویہ اور ان کے والد حضرت ابو سفیان پر غلیظ زبانیں کھولی گئیں تو پھر مولانا حدوٹی کے ایمانی جذبات ہی تھے جن کی بدولت انہوں نے امت مسلمہ کی آغوش میں السیف المسلول علی شاتم اصحاب الرسول نامی کتاب پیش کی۔

یہ کتاب بھی حدوٹی صاحب کا ایک قلمی شاہکار۔ صحابہ کرام کے بارے میں یہ عظیم الشان تحفہ کتابی شکل میں بھی پیش کیا۔

اوران کی زیرادارت گزشتہ ۲۰ سالوں سے شائع ہونے والے ماہ نامہ آب حیات کی اشاعت خاص میں بھی پیش کیا گیا، میں مولانا کے علمی اور دینی ذوق کو سلام محبت وعقیدت پیش کرتا ہوں کہ وہ گاہے گاہے رابطے کا موقع عنایت فرماتے رہتے ہیں کبھی مفت کتابوں کے حوالے سے کبھی انتہائی مناسب معاوضہ کے بدلے۔

ماہنامہ آب حیات لاہوراس وقت مولانا محمودالرشید حدوٹی حفظہ اللہ کی زیرادات بڑی آب وتاب سے اپنا صحافتی سفر جاری رکھے ہوئے ہے،وہ بڑی تندہی، جانفشانی اور یکسوئی کے ساتھ شبانہ روز اعلائے کلمۃ الحق کے لیے بلا خوف لومۃ لائم کام کررہے ہیں، نقش آغاز کے عنوان سے معنون آب حیات کا اداریہ بڑے خاصے اور پتے کی چیز ہوتی ہے، جس میں وہ عالمی حالات، ملکی حالات، سیاست، مذہب، دین معاشرت غرضیکہ تمام موضوعات پر وقفے وقفے سے لکھتے اور روشنی ڈالتے رہتے ہیں،آب حیات کے مستقل قارئین ان باتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔

میں مولانا حدوٹی کے قارئین کی صف میں اس وقت شامل ہوا تھا جب وہ شالیمار باغ کی فلک بوس دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر سنی اتحاد نامی رسالہ لکھا کرتے تھے، میں اس وقت سنی اتحاد کا لاہور میں نمائندہ ہوا کرتا تھا۔

مولانا حدوٹی اس وقت ماہ نامہ آب حیات،ماہ ناہ تحفہ خواتین،ماہ ناہ صدائے جمعیت اور ہفت روزہ شاندار جیسے وقیع رسائل کے مدیرالمہام ہیں،اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مولانا حدوٹی کی ان قلمی کاوشوں کو قبول فرمائے۔آمین

میں کچھ عرصہ سے بیماراور صاحب فراش ہوں ،وہ تیمار داری کے لیے تشریف لائے، میں بوجہ عارضہ بیماری ان سے مستقل رابطہ نہ رکھ سکا لیکن آفرین ہے عباسی خاندان کی اس علمی شخصیت پر کہ انتہائی مصروفیت کے باوجود مجھے بہت سارا علمی ذخیرہ گھر پہنچا کر مستفید فرمایا اللہ آپ کو مزید ترقیاں، مقام عالی، صحت دائمی اور علم نافع عطا فرمائے اور ہمارا علمی رشتہ تاقیامت قائم ودائم رکھے، شکریہ حدوٹی صاحب آپ کے ذوق کو عاجزانہ سلام مولانا سید محمد آفتاب شاہ مسجد چلڈرن ہسپتال لاہور ☆☆

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے توفیق بخشی کہ بندہ راقم الحروف حدوٹی کے ناکارہ قلم سے قرآن کریم کی تفسیر معارف الفرقان پایہ تکمیل کو پہنچی، تفسیر کی تکمیل پر پانچ سال کا عرصہ لگا، گزشتہ ماہ ملک بھر کے اہل ذوق کو تفسیر کی چودہ جلدیں روانہ کی گئیں، جس پر اہل علم نے بہت ہی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، ان میں ہم سب کے مخدوم، محترم ومکرم استاذ، استاذالحدیث مولانا قاری نوراشرف ہزاروی حفظہ اللہ اور شاہزادہ اہل سنت والجماعت مولانا قاری محمد ابوبکر صدیق جہلمی حفظہ اللہ (پوتے حضرت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ) کے قیمتی تاثرات نے بہت ہی زیادہ مسرت بخشی، جو پندرہویں جلد کے شروع میں شائع ہورہے ہیں اور یہاں بھی پیش ہیں۔

استاذ العلماء، محبوب الصلحاء والاتقیاء حضرت

مولانا نوراشرف ہزاروی مدظلہ

اُستاذُالحدیث جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

مولانا محمودالرشید حدوٹی زیدت فیوضہم کی بعض تصنیفات کا بالاستیعاب اور بعض کا چیدہ چیدہ مقامات سے مطالعہ کیا، ماشاء اللہ ہر موضوع کو پوری کامیابی کے ساتھ کھول کر بیان کیا۔ خصوصاً ان کی تفسیر معارف الفرقان کے بھی بعض مقامات کو دیکھنے کا موقع ملا، جہاں تک دیکھا ماشاء اللہ بہت خوب اور دلچسپ پایا، جو علماء

اور طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔اللہ تعالیٰ نے مولانا محمودالرشید حدوٹی کو بڑی صلاحیتوں سے نوازاہے، جو بیک وقت عالم باعمل، صحافی، مصنف، سکالر اور مفسر بھی ہیں،اور محنت ان کا خاص وصف ہے، اسی محنت کے نتیجہ میں ان کا قلم رواں دواں رہتا ہے اوران کا رسالہ آب حیات ایوارڈیافتہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری اور مقبول ہے،اللہ تعالیٰ موصوف کی دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نواز کر عوام وخواص کے لیے نافع بنائے اور موصوف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین،وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔آمین (۲۵جولائی ۲۰۲۰ء ۳ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

مولانا قاری محمد ابو بکر صدیق حفظہ اللہ

رئیس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

برادر مکرم حضرت مولانا محمودالرشید صاحب حدوٹی دامت برکاتہم کا شمار جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم کے ان قدیم فضلاء میں ہوتا ہے جو بانی جامعہ ولی کامل حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمیؒ (خلیفہ مجاز قطبِ زماں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) کے فیض یافتہ اور زمانہ طالب علمی میں حضرت جہلمیؒ کے منظورِ نظر اور معتمد علیہ رہے۔

دورانِ تعلیم تحریر وتقریر کا اعلیٰ ذوق رکھنے کے باعث حضرت جہلمیؒ کی توجہات کا خصوصی مرکز رہے اور یہ ان اکابرین کی تربیت اور فیض کا اثر ہے کہ الحمدللہ رب تعالیٰ نے آپ کو اپنے سچے دین کی اِشاعت اور سربلندی کے لیے مخلصانہ خدمات کی توفیق بخشی، مولانا موصوف متعدد دینی اداروں کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ تحریر وتصنیف کے میدان میں بھی مصروفِ عمل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ اہم دینی عنوانات

پر ڈیڑھ سو سے زائد کتب تحریر فرما چکے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنے اَساتذہ کرام سے بھی راہنمائی لیتے رہتے ہیں جو کہ ان کی سعادت مندی کا مظہر ہے۔

حال ہی میں انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر (تفسیر معارف الفرقان) تحریر فرمائی ہے جس کے بعض مقامات دیکھنے کا موقع ملا ہے اور الحمدللہ عام فہم اندازِ تحریر ہے اور موجودہ دور کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز عامۃ المسلمین کے لیے قرآن فہمی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی، دعا ہے کہ رب تعالیٰ مولانا حدوٹی صاحب مدظلہ کی اس مخلصانہ کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطاء فرمائیں اور ہمارے بزرگوں کے اس فیض کو تاقیامت جاری و ساری رکھیں، آمین یارب العالمین

کَلِمَاتِ تَشَکُّر

ابھی چونکہ تفسیر معارف الفرقان مکمل زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی، جوں جوں مواد تیار ہوتا ہے توں توں اسے طباعت کے لیے پریس روانہ کر دیا جاتا ہے، اس وقت ⑯ جلدیں پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں، جب کہ پندرہویں جلد پریس روانہ کر دی گئی ہے، ان شاء اللہ العزیز اس سال کے آخر تک مکمل چھپ جائے گی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کا فائدہ عام اور تام فرمائے، اس پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کی خوبیوں کو قبول فرمائے اور خامیوں سے درگزر فرمائے۔ اسے میرے لیے، میرے اساتذہ کرام کے لیے، میرے مشائخ عظام کے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میرے اعزہ و اقارب کے لیے، میرے معاونین و مساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، دارین کی فلاح کا ذریعہ بنائے۔

مولانا عادل خان کی شہادت

شہید اسلام شیخ الحدیث مولانا عادل خان کو علم، روحانیت، حق گوئی و بے باکی وراثت میں ملی ہوئی تھی، وہ رئیس المحدثین، ولی کامل شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند، جانشین اور روحانی و علمی نسبتوں کے وارث تھے، وہ اپنے سربلند بابا کی طرح امن کے خوگر، اسلام اور پاکستان کی محبت سے سرشار، ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ناموس صحابہ کے چوکیدار اور پاکستان سے لے کر ملائیشیاء تک ہزاروں علماء کے استاد تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عادل خان کو اردو، انگلش اور عربی سمیت متعدد زبانوں پر دسترس حاصل تھی، مولانا شہید نے ۱۹۷۳ء میں عالم اسلام کی معروف دینی یونیورسٹی جامعہ فاروقیہ سے سند فراغت حاصل کی، انہوں نے ۱۹۷۶ء میں کراچی یونیورسٹی میں بی اے ہیومن سائنس ۱۹۷۸ء میں ایم اے عربی اور ۱۹۹۲ء میں اسلامک کلچر میں پی ایچ ڈی کی۔

مولانا عادل شہید ۱۹۸۰ء سے ایک ایسے دینی رسالے کے ایڈیٹر چلے آرہے تھے کہ جو اردو، عربی اور انگلش میں بیک وقت چھپتا چلا آرہا ہے، شہید مولانا ڈاکٹر عادل خان نے ملائیشیاء کوالالمپور کی معروف یونیورسٹی میں ۲۰۱۰ء سے سال

۲۰۱۸ تک بطور پروفیسر خدمات بھی سرانجام دیں، سال ۲۰۱۸ء میں ملائیشیا ہائیر ایجوکیشن کی جانب سے آپ کو فائیو اسٹار ریٹنگ ایوارڈ سے نوازا گیا، یہ ایوارڈ آپ کو ملائیشیاء کے صدر نے عطا کیا۔

عالمی صیہونی طاقتوں کے غلام حکمرانوں کی وجہ سے پاکستان ایک ایسا بد قسمت ملک بن چکا ہے کہ جس کے جن اکابر علماء کی علمی خدمات کو بیرون دنیا میں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے، ملائیشیاء کے صدر جس عالم اور شیخ الحدیث کو اپنے ہاتھوں سے فائیو اسٹار ریٹنگ ایوارڈ عطا کرتے ہیں، اس عالم اور شیخ الحدیث کو کراچی کی سڑکوں پر بڑے ہی مظلومانہ انداز میں شہید کر دیا جاتا ہے۔

ایسے لگتا ہے کہ جیسے جان بوجھ کر اس دھرتی سے علم و عمل کے خوگر علماء چھینے جا رہے ہیں اور دھرتی پر "ملالائوں" اور شہزاد رائے ٹائپ نام نہاد علمی سفیروں کا بوجھ لادا جا رہا ہے، پاکستان میں زور زبردستی سے الٹی گنگا بہائی جا رہی ہے، یہاں بسنے والی عوام کو نئی سے نئی آزمائشوں سے دوچار کیا جا رہا ہے، ایک آزمائش ختم ہونے میں نہیں آتی کہ دوسری آزمائش منہ کھولے کھڑی ہوتی ہے، کوئی سندھ کے حکمرانوں سے پوچھے کہ پاکستانی قوم اپنے خون پسینے سے ٹیکس اس لئے ادا کرتی ہے کہ وہ حکمران مافیاء اور ان کی اولادوں تک ہی ساری سیکورٹی محدود رکھیں؟

شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عادل خان شہید جیسا متبحر عالم دین کہ جنہوں نے کراچی کے مسلمانوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور جن کی علمی خدمات کو پورے عالم اسلام میں سراہا جاتا ہے، ان کا یوں مظلومانہ انداز میں قتل ہو جانا، کیا اس بات کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ "علم" اور "علمی" شخصیات حکمرانوں کی ترجیح ہی نہیں، کیا یہ قوم ٹیکس اس لئے ادا کرتی ہے کہ سیکورٹی کے سارے اداروں

کو وزیروں، مشیروں، زرداریوں اور ان کے خاندانی غلاموں کی سیکورٹی پر لگا دیا جائے؟ سنا ہے کہ وزیر اعظم (عمران خان) نے کہا ہے کہ بھارت ملک میں اس قسم کی ٹارگٹ کلنگ کروانے کے درپے تھا، خدا بھارت کے بدمعاش حکمرانوں کو غارت کرے، لیکن وزیراعظم عمران خان سے سوال تو بنتا ہے کہ جب انہیں اور ان کی حکومت کے علم میں تھا کہ بھارت علماء کا قتل کروانا چاہتا ہے، تو پھر جو علماء ٹارگٹ تھے ان کی سیکورٹی کے لئے حکومت نے کیا بندوبست کیا تھا؟

شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عادل خان انتہائی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے، اس محرم الحرام میں تبت سنٹر کراچی اور اس سے قبل اسلام آباد میں بعض شر پسند ملعونوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ، حضرت سیدنا امیر معاویہؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کی ناموس پر جو اعلانیہ حملے کئے، تو آپ نے ان کے خلاف دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث مسالک کو ایک صفحے پر متحد کرنے میں نہایت متحرک کردار ادا کیا۔

کراچی شارع قائدین پر گستاخان صحابہؓ کے خلاف لاکھوں انسانوں پر مشتمل انتہائی پر امن عظمت صحابہ مارچ کا انعقاد کر کے آپ نے شر پسند عناصر اور ان کے عالمی سرپرستوں کو پیغام دیا کہ اب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مقدس، شخصیات کے خلاف کسی کو بھی زبان درازی کی اجازت نہیں دی جائے گی، صرف کراچی ہی نہیں، بلکہ اسلام آباد ہو یا ملتان، جہاں جہاں عظمت صحابہ مارچز ہوئے آپ وہاں پہنچے اور آپ نے عظمت صحابہ کے دفاع کا فریضہ بڑی دلیری سے سرانجام دیا۔

آپ حق بات کہنے میں کسی قسم کے خوف کو روا رکھنے کے قائل نہ تھے، آپ قانون پسند بھی تھے اور آئین پاکستان کا احترام کرنے والے بھی، آپ انسانی قدروں پر یقین رکھنے والے، انسانوں میں علم کی سوغات بانٹنے والے، سخی دل اور سخی مزاج انسان تھے۔ اللہ غریق رحمت کرے، عجب انسان تھا جو نہ رہا۔